

جامعہ حقانیہ کاترجمان

ساہیوال
سرگودھا

الحقانیہ

مجلد

صفر المظفر، ربیع الاول ۱۴۳۷ھ دسمبر، جنوری ۲۰۱۶ء



بانی: فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور بریلوی قدس سرہ

فہرست

3	حضرت الاستاذ مولانا صالح محمد قریشی رحمہ اللہ تعالیٰ مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم
16	حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ المدنی رحمہ اللہ تعالیٰ " " "
17	حضرت مولانا عبدالبر قاسم رحمہ اللہ تعالیٰ " " "
19	حضرت مولانا مفتی عبدالمعید رحمہ اللہ تعالیٰ " " "
23	حضرت مولانا محمد عبداللہ رحمہ اللہ تعالیٰ " " "
26	درس حدیث حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ
28	ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ حضرت صوفی علی محمد رحمہ اللہ تعالیٰ
30	فضائل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ
50	عید میلاد کی شرعی حیثیت فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ
62	تذکرہ حضرت مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ مولوی سید عبدالقدیر ترمذی
69	مکتوبات حضرت ترمذی قدس سرہ سید عمیر شاہ بخاری
75	ایک جامع شخصیت مولوی عبدالصمد ساجد
81	اصلاحی مکاتیب فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ
90	مقتدیوں کا قد قامت الصلاة کھڑا ہونا مفتی محمد اعظم ہاشمی زید مجدہ
95	اخبار الجامعہ مولانا سجاد حسین زید مجدہ
96	نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم محمد فہیم ترمذی

خط و کتابت کیلئے: دفتر ماہنامہ الحقائق جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

web-www.alhaqqania.org

E-mail-alhaqqania@yahoo.com

048-6786002/6786899

پبلشر: مفتی سید عبدالقدوس ترمذی پرنٹر: جناب محمد منیر صاحب فاسٹر پرنٹنگ پریس سرگودھا

کمپوزر: جناب حافظ سید عبدالغفور صاحب ترمذی

نوٹ: رسالہ کے متعلق معلومات کے لیے رابطہ نمبر: 0301-4843429

رسالہ نہ ملنے کی صورت میں رابطہ نمبر: 0301-0331-6769897

کلمۃ الحق

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

حضرت الاستاذ مولانا صالح محمد قریشی رحمہ اللہ تعالیٰ

کل بروز اتوار ۴ محرم الحرام ۱۴۳۷ھ شام چار بجے کے قریب عزیز القدر مولوی محمد صدیق سلمہ مدرس جامعہ حقانیہ ساہی وال سرگودھا نے اطلاع دی کہ مولوی حبیب الرحمن قریشی سلمہ کا فون آیا ہے کہ حضرت الاستاذ مولانا صالح محمد قریشی انتقال کر گئے ہیں۔ اچانک ملنے والی اس خبر سے سناٹا سا چھا گیا اور زمین قدم تلے سے نکل گئی۔ تترخیل رابطہ کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ خبر صحیح ہے اب سوائے تصدیق و صبر کے چارہ نہ تھا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ ان للہ ما اخذولہ ما اعطٰی وکل عندہ باجل مسمٰی۔

جنازہ کے بارہ میں معلوم ہوا کہ صبح تترخیل میں نوبتے ہوگا۔ احقر برادر عزیز عبدالودود و مولوی محمد صدیق اور بر خوردار عبدالملک سلمہم رات بارہ چالیس پر تترخیل کے لیے روانہ ہوئے۔ سو پانچ بجے راستہ میں فجر ادا کی اور سو اسات بچے ہم بخیریت تترخیل پہنچ گئے، سب متعلقین و احباب کو سوگوار پایا ہم پر بھی اس حادثہ کا بے حد اثر تھا، تاہم سب صبر و تحمل اور ضبط سے کام لے رہے تھے۔ جنازہ سے پہلے زیارت کی تو بحمد اللہ تعالیٰ حضرت الاستاذ رحمہ اللہ تعالیٰ کا چہرہ خوب منور اور کھلا ہوا تھا، اوریوں لگ رہا تھا کہ زندگی میں بھی انہیں اتنا سکون نہیں ملا ہوگا جتنا سکون اب مل رہا ہے۔

اعلان کے مطابق جنازہ نوبتے تھا، آٹھ بجے سے باہر سے حضرات کی آمد شروع ہو گئی اور ایک بڑا اجتماع ہو گیا۔ برادر مولانا نور محمد صاحب قریشی نے احقر سے کہا کہ مولانا عطاء الرحمن صاحب بھی تشریف لا رہے ہیں لیکن ان کے آنے میں کچھ دیر ہے اس لیے آپ بیان کر دیں احقر نے مختصر وقت میں حضرت الاستاذ رحمہ اللہ تعالیٰ کے حالات اور موت کی تیاری کے موضوع پر گفتگو کی اور پھر ایک کھلے میدان میں سب جمع ہوئے،

سوانح کے مولانا نور محمد صاحب قریشی نے آپ کا جنازہ پڑھایا جس میں سینکڑوں طلبہ علماء اور صلحاء نے شرکت کی۔ پھر تدفین کا مرحلہ طے ہوا سنت کے مطابق مٹی ڈال کر اور دعا کر کے سب حضرات واپس ہوئے۔ اللہ تعالیٰ حضرت الاستاذ رحمہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت فرمائیں اور ان کے درجات بلند فرمائیں، پسماندگان کو صبر و اجر سے نوازیں، آمین۔

جنازہ کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت الاستاذ رحمہ اللہ نے آخری دن بھی سبق پڑھایا، اس کے بعد آپ اپنے داماد عبدالرحیم صاحب کے گھر تشریف لے گئے، پہلے بخار ہوا چائے پی اور کچھ دوا لی اس سے پسینہ آیا اور طبیعت قدرے بہتر ہوئی لیکن پھر ایک دم طبیعت گھبرائی اور آپ بیٹھے بیٹھے ایک طرف کولیٹ گئے اور اسی وقت روح قفسِ عنصری سے جدا ہو گئی بعد میں ڈاکٹر صاحب آئے اور انہوں نے بھی آپ کی وفات کی تصدیق کر دی، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت الاستاذ تترخیل کے علمی گھرانہ میں جناب مولانا خان محمد قریشی مرحوم کے ہاں آج سے تقریباً ستر سال قبل پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد مفتی اعظم حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد اور مدرسہ امینیہ دہلی کے فاضل تھے۔ بعد میں انہوں نے طب کا علم حاصل کیا اور پھر طبابت کا سلسلہ جاری رکھا، نہایت نیک اور فطری طور پر شریف انسان تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہایت دیندار اور نیک اولاد عطا فرمائی، ان کے سب سے بڑے بیٹے حضرت الاستاذ رحمہ اللہ تھے۔ ان کے علاوہ جناب سعید محمد قریشی، جناب ڈاکٹر خیر محمد قریشی، مولانا نور محمد قریشی، اور مولانا حسین محمد قریشی یہ سب ان کے صاحبزادگان ہیں۔ انہوں نے سب اولاد کو تعلیم دلوائی اور سب کی تربیت بھی کی۔

حضرت الاستاذ نے ابتدائی دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد میٹرک تک عصری تعلیم حاصل کی اس کے بعد درس نظامی کی ابتداء کی اور کنز الدقائق تک حضرت مولانا عطاء الرحمن صاحب سے تترخیل میں کتابیں پڑھیں پھر قاسم العلوم ملتان میں پڑھا اس کے بعد جامعہ

خیر المدارس ملتان میں حضرت علامہ محمد شریف کشمیری اور دیگر اساتذہ کرام سے فنون پڑھے اور حمد اللہ، قاضی، بیضاوی، صدرائے شمس بازغہ، کے امالی بھی بڑی محنت سے لکھے۔

شوال ۱۳۹۴ھ میں جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں آپ نے دورہ حدیث شریف میں داخلہ لیا اور حضرت علامہ محمد یوسف بنوری، حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہما اللہ وغیرہ سے کتب حدیث پڑھ کر شعبان ۱۳۹۵ھ میں فراغت حاصل کی، فنون کی تکمیل دورہ حدیث شریف سے پہلے ہی آپ جامعہ خیر المدارس ملتان میں کر چکے تھے۔

شوال ۱۳۹۵ھ میں کلاچی کے معروف ادارہ نجم المدارس میں تدریس کا آغاز کیا اور شعبان تک ایک سال وہاں درس نظامی کی کتابیں پڑھائیں۔ شوال ۱۳۹۶ھ میں جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا میں تدریس کے لیے تشریف لائے اور ایک سال ۱۴۰۴ھ کے علاوہ بارہ سال تک انتہائی محنت سے علوم و فنون کی سب کتابیں پڑھائیں۔

شوال ۱۴۰۹ھ میں جامعۃ المعارف الشرعیہ ڈیرہ اسماعیل خان میں بطور مدرس آپ کا تقرر ہوا وہاں تقریباً ۲۷ سال تک تدریس کی اور دورہ حدیث شریف تک کتابیں پڑھانے کا موقع ملا، وفات تک آپ اسی ادارہ سے منسلک رہے حتیٰ کہ وفات سے ایک دن پہلے تک بھی آپ نے سبق پڑھایا۔

اکتوبر ۱۹۷۶ء بمطابق شوال المکرم ۱۳۹۶ھ میں جامعہ حقانیہ کے لیے ایک ایسے جید اور فاضل استاذ کی ضرورت تھی جو ہدایہ تک درس نظامی کی کتابیں کامیابی کیساتھ پڑھا سکے۔ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہوا کہ تترخیل میں مولانا محمد معصوم صاحب ایک نوجوان عالم ہیں اور وہ اس کے لیے موزوں ہیں۔ حضرت نے انہیں خط لکھا کہ آپ سہاٹی وال آکر حالات دیکھ لیں اگر آپ کا دل لگ جائے تو یہاں تدریس کریں۔ خط ملنے پر مولانا معصوم صاحب نے اپنے والد ماجد کی خدمت میں رہنے کی وجہ سے خود آنے سے عذر کیا اور اپنی جگہ حضرت مولانا صالح محمد صاحب کو بھیج دیا کہ اگر آپ پسند فرمائیں تو انہیں رکھ

لیں۔ چنانچہ حضرت الاستاذ ۱۱ شوال المکرم ۱۳۹۶ھ کو پہلی مرتبہ ساہیوال تشریف لائے۔ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ سے ملاقات اور مختصر گفتگو ہوئی حضرت نے دیکھتے ہی ان کا تقریر فرمادیا اور ان سے فرمایا کہ آپ جب چاہیں مستقل طور پر آجائیں، میں نے آپ کا تقرر کر دیا ہے۔ حضرت الاستاذ اس وقت واپس تترخیل تشریف لے گئے، احقر ناکارہ بس اڈا تک پہنچانے گیا دو تین دن کے بعد سامان لے کر مدرسہ تشریف لے آئے اور وسط شوال المکرم ۱۳۹۶ھ سے جامعہ حقانیہ میں تدریس کا کام شروع کر دیا۔ احقر ناکارہ گزشتہ سال ۱۳۹۵ھ میں فارسی کے بعض رسائل پڑھ چکا تھا۔ بقیہ فارسی رسائل و کتب اور ہدایہ تک عربی کی تعلیم پانچ سال تک باستثناء بعض کتب سب کتابیں حضرت الاستاذ سے پڑھیں۔ بعض کتابیں حضرت والد ماجد رحمہ اللہ سے بھی پڑھیں۔ ۱۴۰۱ھ میں احقر جامعہ اشرفیہ لاہور چلا گیا، میرے جانے کے ایک سال بعد ایک سال کی رخصت پر حضرت الاستاذ گھر تشریف لے گئے اور سال بعد شوال ۱۴۰۳ھ میں دوبارہ جامعہ حقانیہ تشریف لے آئے۔

احقر شعبان المعظم ۱۴۰۳ھ میں جامعہ اشرفیہ لاہور سے دورہ حدیث تشریف کے بعد ساہیوال آ گیا تھا۔ شوال المکرم ۱۴۰۳ھ میں احقر کا تقریر بھی حضرت الاستاذ کے معین کے طور پر جامعہ حقانیہ میں ہو گیا لیکن دو سال تک احقر ایک وقت تدریس اور ایک وقت حضرت الاستاذ سے فنون کی کتابیں پڑھتا تھا، اور ساتھ ہی تخصص فی الفقہ کی تیاری بھی کرتا تھا اس طرح دو سال میں فنون کی جملہ کتب کی تکمیل ہوئی اور شوال المکرم ۱۴۰۵ھ میں جامعہ حقانیہ ہی میں مستقل مدرس کے طور پر احقر کا تقریر ہوا اور مزید چار سال تک حضرت الاستاذ کی زیر نگرانی تدریس کی سعادت حاصل ہوئی۔

شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ میں حضرت الاستاذ نے اپنے گھریلو حالات کی وجہ سے رخصت طلب کی، حضرت والد ماجد نے بادل نخو استہ ان کے حالات کے پیش نظر اس شرط پر رخصت دی کہ جب بھی گھر کے حالات سازگار ہوں آپ کو واپس آنا ہوگا۔ اس طرح کل

بارہ سال تدریس کے بعد آپ ساہیوال سے رخصت ہوئے لیکن چونکہ آپ کو حضرت والد صاحب اور جامعہ حقانیہ سے خاص تعلق تھا اور آپ جامعہ حقانیہ کے باقاعدہ ناظم اعلیٰ بھی تھے، اس لیے سال میں ایک سے زائد بار آپ ساہیوال تشریف لاتے رہے اور جامعہ کے تمام امور میں آپ سے مشاورت کا سلسلہ آخر تک برابر جاری رہا، بلکہ جب یکم جنوری ۲۰۰۱ء کو حضرت والد صاحب قدس سرہ کی وفات کا حادثہ ہوا تو اس تعلق میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ حضرت والد صاحب کو حضرت الاستاذ رحمہ اللہ پر حد درجہ اعتماد تھا، درس و تدریس کے علاوہ جامعہ اور گھر کے تمام امور میں وہ ان سے مشاورت فرماتے تھے، حضرت الاستاذ بھی تمام امور کی انجام دہی میں بڑی خندہ پیشانی سے پیش پیش رہتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو صلاحیت اور صالحیت دونوں اوصاف عطا فرمائے تھے، حد درجہ متواضع، منکسر المزاج، درویش، بااخلاق اور بے حد مٹے ہوئے تھے، سبق کے دوران کسی بھی کتاب کی کوئی عبارت اگر سمجھ نہ آتی تو فوراً حضرت سے رجوع فرماتے اس میں ذرا بھی تکلف نہ تھا حضرت کو بھی ان کی اس ادا کی بڑی قدر تھی، اپنی مصروفیات ترک کر کے پوری توجہ فرماتے اور عبارت کا حل پیش فرماتے۔ اور خود بھی مسائل کی تحقیق میں اکثر انہیں شریک فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت الاستاذ خود تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت کی عادت تھی کہ وہ اہم مسائل و معاملات میں مشورہ فرماتے چنانچہ کئی دفعہ اس طرح ہوا کہ کوئی اہم مسئلہ آیا اور حضرت نے اس پر تحقیق فرما کر جواب لکھا تو ہمیں بھی طلب فرمالیا، پھر پوری تفصیل سے حضرت سمجھاتے اور کتاب کا حوالہ ضرور دکھاتے اس طرح بہت سے مسائل میں راہنمائی ملتی اور معلومات میں اضافہ ہوتا میں خود بھی کئی مرتبہ سوال کرتا تو خوب تشفی فرماتے درس و تدریس کے معاملہ میں بھی بارہا مراجعت کا موقع ملتا آپ نہایت خندہ پیشانی سے ہر سوال کا جواب دیتے اور عبارت کو حل فرماتے۔ ہر

وقت آپ مطالعہ اور حل مسائل میں منہمک رہتے بڑے بڑے اہل علم اور ارباب فتاویٰ آپ سے راہنمائی لیتے آپ بڑی محنت سے بسط و تفصیل کے ساتھ ان کے سوالوں کا جواب تحریر فرماتے ہمیں ہر وقت آپ کی علمی فقہی بلند پایہ تحقیقات اور علمی ذوق سے مستفید ہونے کا موقع ملتا رہتا تھا۔

ایک مرتبہ حفظ قرآن کریم کے مسئلہ پر گفتگو ہوئی تو حضرت نے فتاویٰ شامیہ سے عبارت دکھا کر یہ مسئلہ سمجھایا کہ حفظ فرض کفایہ ہے اس کے بعد میں نے اپنے گاؤں سے ایک عزیز کو آپ کے مدرسہ میں رکھ کر حفظ کرایا پھر اپنے گاؤں میں بھی اس شعبہ کا باقاعدہ اجراء ہوا۔ اسی طرح تراویح میں قرآن سننے کا موقع بھی آپ کے متوجہ فرمانے پر ہوا مدرسہ حقانیہ کے ایک استاذ نے ہی پہلی مرتبہ ہمیں تراویح میں مکمل قرآن کریم سنایا۔

تترخیل میں جمعہ کے مسئلہ پر بھی حضرت سے کئی مرتبہ بات ہوئی حتیٰ کہ آپ کو تترخیل کی دعوت دی گئی آپ تشریف لائے اور سارے حالات کا جائزہ لے کر آپ نے فتویٰ لکھا جمعہ کے مسئلہ میں ہمارے پیر و مرشد شیخ المشائخ حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب مدظلہم بھی ہمیشہ آپ کا ہی حوالہ دیتے ہیں اور آپ ہی کے فتویٰ پر اعتماد فرماتے ہیں۔

جامعہ کے معاملات میں حضرت کو مجھ پر حد درجہ اعتماد تھا چنانچہ آپ نے ناظم اعلیٰ کی ذمہ داری بھی میرے سپرد فرمادی تھی۔ میری حد درجہ مجبوری کی وجہ سے بادل ناخواستہ آپ نے مجھے گھر واپس آنے کی اجازت دی اور خود میں بھی مجبوری کی وجہ سے واپس آیا ورنہ حضرت کے پاس رہنے میں علمی لحاظ سے بہت ہی فائدہ تھا۔ حضرت ہمیشہ گھر کی طرح شفقت فرماتے تھے میری وجہ سے علاقہ اور گھر کے کئی عزیزوں نے حضرت کی زیارت کی اور ان سے پڑھا۔ عزیز

احمد جان مرحوم، مولوی عبدالواحد، مولوی نور محمد، مولوی حسین محمد، مولوی حبیب الرحمن وغیرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ (حیات ترمذی)

حضرت الاستاذ کی وجہ سے تترخیل اور دیگر علاقوں کے طلبہ نے جامعہ حقانیہ سے فیض حاصل کیا اور حضرت الاستاذ کے پورے خاندان سے تعلق پیدا ہوا، آپ کے برادران گرامی قدر سے بھی مضبوط مراسم قائم ہوئے۔

احقر پہلے لکھ چکا ہے کہ بندہ نے ہدایہ تک درس نظامی کی تقریباً سب کتابیں اور تکمیل کی کتب حضرت الاستاذ رحمہ اللہ سے ہی پڑھی ہیں، آپ نہایت مشفق اور مہربان استاذ تھے۔ سبق بڑی محنت سے پڑھاتے تھے اندازاً اتنا سہل آسان اور میٹھا تھا کہ طالب علم بڑی آسانی سے کتاب سمجھ لیتا تھا، آپ عبارت کی خواندگی کے بعد پہلے اس عبارت کا آسان مطلب بیان فرماتے اور پھر اس تقریر کو کتاب کی عبارت پر منطبق فرما کر بڑا آسان سادہ لفظوں میں ترجمہ کرتے جس سے عبارت کا مطلب طالب علم کے دل میں اترتا چلا جاتا تھا اور اسے کتاب فہمی اور سبق کے سمجھنے میں ذرا دقت نہ ہوتی تھی، آپ کے ہاں عبارت کا نفس مطلب اور اس سے متعلق انتہائی ضروری تشریح ہوتی تھی، خارجی تقریر یا لمبی چوڑی تقریر نہیں ہوتی تھی۔ آپ طالب علم سے روزانہ سبق سنتے اور پھر اسے آگے سبق پڑھاتے تھے مطالعہ اور تکرار کی نگرانی بھی خود فرماتے، ہر امتحان کے موقع پر اس وقت تک کا پڑھا ہوا حصہ باقاعدہ طالب علم سے سنتے اس کے بعد امتحان میں اسے شامل فرماتے۔ آپ کے اس انداز کا نتیجہ یہ تھا کہ کتاب بروقت ختم ہوتی اور ہر طالب علم کو پوری کتاب ازبر ہوتی تھی۔

آپ تعلیم کے ساتھ ساتھ طالب علم کی تربیت کا بھی خوب خیال رکھتے تھے، طالب علم کی وضع قطع اور نماز باجماعت کی پابندی اور اخلاقیات پر آپ کڑی نظر رکھتے، جس طالب علم کو اس میں کمزور دیکھتے خوب تنبیہ فرماتے۔ حضرت الاستاذ چونکہ خود بھی نہایت صالح اور نیک متقی اور پرہیزگار تھے، پانچ وقت نماز باجماعت کے علاوہ اشراق، اوابین،

اور تہجد کا باقاعدہ آپ کے ہاں اہتمام تھا، اسی طرح فضول کلام بلاوجہ مجلس آرائی غیبت وغیرہ ان امور سے آپ انتہائی پرہیز فرماتے تھے۔ بحمد اللہ تعالیٰ آپ کی برکت سے طلبہ میں اور مدرسہ کے دوسرے اساتذہ کرام میں بھی آپ کے گہرے اثرات پائے جاتے تھے۔ آپ کے تقویٰ اور نیکی کے آثار پورے ماحول پر اثر انداز تھے۔

حضرت الاستاذ دوران تعلیم طلبہ سے خدمت لینے کے عادی نہ تھے اپنے کام خود کرتے، کتنی مشقت کا کام ہوتا دوسروں سے کبھی نہیں کراتے تھے، آپ کا معمول دو وقت چائے اور سیر کا تھا، چائے خود بناتے اور دوسروں کو بھی پلاتے کپڑے خود دھوتے جامعہ میں اس وقت صحیح انتظام نہ تھا آپ اس کے لیے طلبہ کے ساتھ باہر ٹیوب ویل پر جاتے، ان کا بھی تعاون فرماتے۔ مدرسہ کے تمام کام میں طلبہ کے ساتھ بھرپور شرکت کرتے اور پورا تعاون فرماتے تھے۔ طلبہ پر انتہائی شفیق تھے ان کو اپنے ساتھ بے تکلف کرتے عصر کے بعد ان کے ساتھ کھیل میں شریک ہوتے لیکن اس کے باوجود چونکہ آپ کا رعب بہت تھا اس لیے طلبہ نماز اور سبق میں ناغہ کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

احقر نا کارہ پر حضرت الاستاذ رحمہ اللہ کی شفقتیں اور عنایتیں بے حد تھیں، صحیح تو یہ ہے کہ آپ کی عنایات اور احسانات سے احقر کی گردن جھکی ہوئی ہے۔ احقر کے پاس برائے نام جو کچھ ہے وہ آپ کی ہی عنایت ہے۔ انہوں نے ہمیشہ احقر کی سرپرستی فرمائی خاص طور پر حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کی وفات کے بعد پندرہ سال تک احقر کا پورا خیال رکھا، ہر خوشی غمی کے موقع پر سرپرستی فرمائی اور دور دراز کا سفر کر کے ہماری ہر تقریب میں شرکت فرمائی۔ احقر بھی کئی مرتبہ تترخیل دولت خانہ پر حاضر ہوا۔ احقر کے حاضر ہونے پر بے حد اکرام کا معاملہ فرماتے جس سے شرمندگی اور ندامت ہوتی تھی لیکن امتثال امر کے سوا چارہ نہ ہوتا تھا۔

حضرت الاستاذ ۱۴۰۰ھ میں حج کے لیے تشریف لے گئے، آپ بحری جہاز سے حج پر گئے تقریباً اڑھائی ماہ تک آپ کا قیام حرمین شریفین میں رہا۔ احقر اس وقت ہدایہ وغیرہ

پڑھتا تھا، ہدایہ، نور الانوار اور حسامی حضرت والد صاحب کے پاس تھیں، باقی کتابیں حضرت الاستاذ پڑھاتے تھے، آپ کے حج پر جانے کے بعد احقر اور برادر مولا ناصر اقبال صاحب ہم دونوں اپنے اسباق حضرت والد صاحب سے پڑھتے رہے اور تحتانی درجات کے تمام اسباق احقر پڑھاتا رہا، اس طرح تقریباً تین ماہ تک احقر کو حضرت الاستاذ کی نیابت میں پڑھانے کا شرف حاصل ہوا۔

آپ نے ذوالحجہ ۱۴۰۰ھ کے حج میں شرکت کی، اس دوران حج کا ایک مسئلہ پیش آیا بروقت رہنمائی نہ ملنے سے آپ بڑے پریشان ہوئے، بالآخر آپ نے پوری صورتحال حضرت والد صاحب کو لکھ کر رہنمائی حاصل کی، اس موقع پر حضرت والد محترم نے آپ کو جو مکتوب گرامی تحریر فرمایا تھا اس کی نقل یہ ہے:

سید عبدالشکور ترمذی غفی عنہ ساہی وال ضلع سرگودھا پاکستان

مکرمی مولانا صاحب زاد مجدکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا عنایت نامہ ملا اس سے پہلے ہفتہ ایک عریضہ مکہ المکرمہ کے پتہ پر ارسال کر چکا ہے امید ہے کہ ملا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آپ سب حضرات کے حج و زیارت مدینہ منورہ کو شرف قبول عطا فرمائیں۔ آمین۔

بجاء اللہ یہاں ہر طرح سے خیر و عافیت ہے اور آپ حضرات کی دعاؤں کے ہم سب محتاج ہیں امید ہے کہ دعائے خیر میں فراموش نہ فرمائیں گے۔ واجرکم علی اللہ جناب کی تحریر کردہ صورت واقعہ میں ایک تو وقوف مزدلفہ کا ترک ہوا ہے۔ کیونکہ وقوف کا وقت یوم النحر کی طلوع فجر کے بعد سے طلوع شمس تک ہے۔

در مختار میں ہے: ووقتہ من طلوع الفجر الی طلوع الشمس ولو مارا کما

فی عرفۃ لکن لو ترکہ بعد کز حمة لا شیء علیہ (شامی ج ۲، ص ۲۴۴)

معلوم ہوا کہ وقوف اگر عذر زحمت کی وجہ سے ترک ہو جائے تو دم لازم نہیں آتا

اسی طرح ہر واجب کے ترک کا حکم ہے کہ اگر وہ عذر کی وجہ سے ہوا ہو تو دم لازم نہیں ہوتا جیسا کہ در مختار کی عبارت ”لا شیئ علیہ“ پر علامہ شامی نے ارقام فرمایا ہے: وکذا کل واجب اذا ترکہ بعذر لا شیئ علیہ کما فی البحر (ج ۲۲۵۲)

اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل میں سے ضعفاء کو مزدلفہ سے صبح صادق سے پہلے ہی منیٰ کی طرف روانہ فرما دیا تھا۔ اس سے خوف زحمت کا معتبر ہونا ترک واجب کے حق میں ثابت ہوتا ہے، خصوصیت سے عورتوں اور ضعفاء کے حق میں زیادہ قابل اعتبار ہے۔ اس واقعہ میں دوسری بات یہ ہوئی کہ یوم النحر کی رمی صبح صادق سے پہلے کر لی گئی حالانکہ اس دن کی رمی کا وقت صبح صادق کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور صبح صادق سے پہلے رمی صحیح نہیں ہے۔

ولو رمی قبل طلوع فجر النحر لم یصح اتفاقاً (شامی ج ۲، ص ۲۴۸)

جب صبح صادق سے قبل کی رمی غیر صحیح ہے تو اس روز کی رمی ترک ہو گئی اب اگر یہ ترک خوف زحمت کی وجہ سے ہوا ہو تب تو دم لازم نہیں ہے۔

شامی میں ہے: ”قالت وهو شامل لخوف الزحمة عند الرمی فمقتضاه أنه لو دفع ليلة لیرمی قبل دفع الناس وزحمتهم لا شیئ علیہ... فالاولی تقييد خوف الزحمة بالمرأة ويحمل اطلاق المحيط عليه لكون ذلك عذرا ظاهرا في حقها يسقط به الواجب بخلاف الرجل“ (شامی ج ۲، ص ۲۴۵)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خوف زحمت کو وقوف مزدلفہ اور رمی کے ترک میں عورتوں کے حق میں معتبر سمجھا گیا ہے اور مردوں کے حق میں مرض اور ضعف کے بغیر غیر معتبر۔ اور صورت واقعہ میں رمی کا ترک بوجہ خوف زحمت کے ہوا ہے۔ کیونکہ اس کے وقوع کا قبل از وقت ہونے کی وجہ سے اعتبار نہیں کیا گیا اس لئے یہ

ترک بسبب عذر کے ہوا۔ لہذا اس کی قضا کے ساتھ دم لازم نہیں آئے گا۔ واللہ اعلم
 جیسا کہ علامہ شامی نے لکھا ہے: لا شک ان الزحمة عند الرمی وفي
 الطريق قبل الوصول اليه أمر محقق في زماننا الخ (ج ۲، ص ۴۴۴) واللہ اعلم
 ۴ محرم الحرام ۱۴۰۱ھ ۱۳ نومبر ۱۹۸۰ء جمعرات

اس مکتوب گرامی سے آپ کی تسلی ہوئی، واپسی پر بھی آپ نے اس کا ذکر فرمایا کہ
 پریشانی بہت تھی لیکن اس خط سے تشفی ہو گئی۔

آپ کے گاؤں تترخیل میں جمعہ نہیں پڑھا جاتا تھا چونکہ اس پر قریہ کبیرہ بڑے گاؤں
 کی تعریف صادق نہ آتی تھی اس لیے حضرت الاستاذ بھی وہاں جمعہ کے حق میں نہ تھے، پھر
 جب وہاں کے حالات بدلے تو بعض علماء نے جمعہ کے جواز کا فتویٰ دیا اور وہاں جمعہ پڑھانے
 کے لیے فرمایا تو حضرت الاستاذ رحمہ اللہ نے حضرت والد ماجد کو ساری تفصیل بتائی اور پورے
 حالات سے آگاہ کیا بالآخر طے ہوا کہ تترخیل جا کر حالات دیکھ لیے جائیں اور مشاہدہ کے بعد
 جو طے ہوا اس پر عمل کر لیا جائے، حضرت الاستاذ اور دیگر حضرات نے حضرت والد صاحب رحمہ
 اللہ کو تترخیل کے دورہ کی دعوت دی جسے آپ نے قبول فرمایا اور آپ وہاں تشریف لے گئے،
 یہ احقر بھی آپ کے ساتھ تھا آپ نے تترخیل کا مشاہدہ کیا اور خاص طور پر بازار کی صورتحال کا
 جائزہ لیا اور مشاہدہ کے بعد آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی مقامی عالم حالات کے جائزہ کے بعد
 جمعہ کے جواز کا فتویٰ دے تو احقر کے نزدیک اس پر عمل کرنا جائز ہے۔

پھر آپ نے ان حضرات کی فرمائش پر تحریر بھی لکھ دی جو ذیل میں نقل کی جاتی ہے:

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد:

احقر سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ کو تترخیل حاضری کا شرف حاصل ہوا علماء
 کرام اور صلحاء کی زیارت و ملاقات سے دل خوش ہوا اس نعمت کا واسطہ ہمارے
 عزیز مولانا صالح محمد صاحب سابق مدرس جامعہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا

اور ان کے اخوان ہوئے جزا ہم اللہ تعالیٰ خیرا۔

احقر نے تقریباً تمام شہر موٹر گاڑی پر سوار ہو کر دیکھا شہر کی آبادی بہت بڑی ہے اور ضروریات زندگی میں بھی کافی حد تک کفیل ہے مگر فقہاء کرام کی تعریف کا مصداق ”فیہا سکک واسواق“ نظر نہیں آ رہا۔ اس کثیر آبادی کے شہر میں اجتماعی سوق کا نہ ہونا بہت ہی قابل تعجب بات ہے اس سے بھی کم آبادی کے شہروں میں سوق پائے جاتے ہیں لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا۔

اس وقت اس قریہ کبیرہ میں جمعہ کے شرائط کے اجتماع پر شرح صدر نہیں ہو سکا دل چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے اسباب پیدا فرمادیں کہ اصول حنفیہ کے مطابق اس شہر میں جمعہ کا جواز ثابت ہو جائے۔ مسئلہ چونکہ مختلف فیہ ہے اس لئے کوئی محقق عالم اگر دیانتاً اس شہر میں جمعہ کو ضروری قرار دے دیں تو ان سے زیادہ نزاع نہ کی جائے، گواہی عمل میں تقویٰ اور احتیاط کے پہلو کو ہی پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ فقط۔

هذا ما عندی ولعل عند غیرى احسن من هذا والله اعلم بالصواب

۱۸ ربیع الاول یکشنبہ ۱۴۱۵ھ

اس کے بعد وہاں جمعہ کا قیام عمل میں آیا اور حضرت الاستاذ خطبہ کے بعد جمعہ پڑھاتے تھے۔ اس موقع پر کچھ دیر کے لیے حضرت والد صاحب رحمہ اللہ جامعۃ المعارف الشرعیہ میں تشریف لے گئے تھے اور پھر وہاں سے آپ کلاچی تشریف لے گئے جہاں حضرت مولانا قاضی عبدالکریم رحمہ اللہ سے ملاقات کی اور پھر وہاں طلبہ میں آپ کا بیان بھی ہوا، حضرت مولانا قاضی عبدالحلیم صاحب مرحوم نے میزبانی کی، حضرت الاستاذ بھی اس سفر میں ساتھ تھے۔

ایک مرتبہ ساہیوال میں شاہپور روڈ پراونٹ کے ذبح کا واقعہ پیش آیا۔ سائل حضرات کا بیان تھا کہ ہم نے جب اونٹ ذبح کیا تو وہ زندہ تھا اور اس کی چاروں رگیں بھی کٹ گئی ہیں جبکہ دوسرے فریق کے مطابق اونٹ مرنے کے بعد ذبح ہوا، اس کا کہنا تھا کہ جب اونٹ

ذبح ہوا تو اس میں کوئی حس و حرکت نہ تھی اور نہ ہی خون دھار سے نکلا فلہذا یہ ذبح صحیح نہیں۔
 حضرت والد صاحب نے احقر اور حضرت الاستاذ کو موقع پر بھیجا کہ جا کر ساری صورت حال کا جائزہ لیا جائے پوری تحقیق کے بعد ہی کوئی حکم بتایا جاسکتا ہے، ہم دونوں شاہ پور روڈ موقع پر حاضر ہوئے۔ صورت حال کا جائزہ لیا اور موقع دیکھ کر ہمیں واضح ہوا کہ ذبح کے مدعی فریق کا موقف درست ہے، ہم نے پوری تفصیل حضرت کو عرض کی حضرت نے تسلی اور تشفی کے بعد اس کی حلت کا فتویٰ لکھا۔ یہ محرم الحرام ۱۴۰۵ھ کا واقعہ ہے۔

۱۴۰۶ھ میں عائلی قوانین کے خلاف پانچ سو علماء کا مصدقہ فتویٰ حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب نے کلاچی سے تصدیق کے لیے حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کے پاس بھیج دیا۔ حضرت نے اس کی تائید میں جو تفصیلی فتویٰ تحریر فرمایا اس پر حضرت الاستاذ کے علاوہ ہم سے بھی دستخط کرائے گئے تھے۔

حضرت الاستاذ جب تک جامعہ حقانیہ میں رہے تقریباً تمام معاملات میں شریک رہتے تھے، تدریس کے علاوہ ان کی دیگر خدمات بھی ہمیشہ یاد رہیں گی۔ حق تعالیٰ ان کی تمام خدمات کو قبول فرمائیں اور انہیں جزائے خیر دیں اور ان کی خدمات کو آخرت میں رفع درجات کا سبب بنائیں۔

پسماندگان میں حضرت نے بیٹیوں کے علاوہ پانچ بیٹے بھی چھوڑے ہیں، ماشاء اللہ ان کے دو بیٹے عزیز محترم مولوی محمد طیب و مولوی محمد صہیب سلمہما اس وقت مانکوٹ کے ادارہ جامعہ اشرفیہ میں دورہ حدیث شریف کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں عالم باعمل بنائیں اور صحیح معنی میں حضرت الاستاذ کا جانشین بننے کی انہیں توفیق عطا فرمائیں، آمین۔ فقط

احقر التلامذہ عبدالقدوس ترمذی غفرلہ

۱۲ محرم الحرام ۱۴۳۷ھ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ

صلحاء علماء اور نیک لوگ رفتہ رفتہ دنیا سے اٹھتے جا رہے ہیں جو یقیناً قیامت کی علامت میں سے ہے۔ نیک لوگوں کا وجود دنیا کے لیے باعث برکت و رحمت ہے، ایک عالم سے چونکہ بہت سے لوگوں کا ایمان وابستہ ہوتا ہے اس لیے ایک عالم صالح کی موت کو کل جہاں کی موت قرار دیا گیا ہے۔

حضرت ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب مدنی رحمہ اللہ ایک جید عالم دین اور حدیث کے بڑے ماہر استاذ تھے۔ آپ نے ایک عرصہ دراز تک جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کی مسند حدیث کو زینت بخشی، ہزاروں تلامذہ نے آپ سے اکتساب فیض کیا۔ ان کی موت یقیناً ایک جہاں کی موت ہے، ایسے علماء صلحاء کی تعداد اب بہت کم ہے، آپ نہ صرف ظاہری علوم کے جامع اور ماہر تھے بلکہ باطنی علوم فیوض بھی آپ نے اپنے اکابر سے حاصل کیے تھے۔

مادری علمی دارالعلوم حقانیہ سے فیض پانے کے بعد آپ نے جامعہ اشرفیہ لاہور میں کبار اساتذہ کرام سے فیض حاصل کیا، پھر مدینہ یونیورسٹی میں دکتورہ کیا اس کے بعد آخر دم تک دین کی خدمت کرتے رہے۔ آپ کی علمی، دینی، تبلیغی اور جہادی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا، اس کے ساتھ ساتھ آپ کی تصنیفی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں۔

احقر کو آپ سے زیادہ نیاز حاصل نہیں ہوا۔ البتہ ایک مرتبہ آپ کی زیارت اور مجلس میں بیٹھنے کا موقع ملا اور یہ اس وقت کی بات ہے جب افغانستان میں نفاذ اسلام کے لیے ایک فارمولا طے کرنے کے لیے حضرات علماء کرام کا ایک وفد افغانستان جانے کے لیے تشکیل دیا جا رہا تھا اور اس میں حضرت والد ماجد رحمہ اللہ تعالیٰ کا نام بھی شامل تھا۔ حضرت مولانا اسی سلسلہ میں دعوت دینے کے لیے حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب مدظلہ کے ساتھ خود ہی ساہیوال تشریف لائے تھے، اس موقع پر آپ کی تواضع اور شرافت نفس قابل دید تھی، تمام تر علم و فضل و کمال کے باوجود آپ اس طرح تواضع و عاجزی سے پیش آئے کہ گویا آپ سب سے چھوٹے

ہیں، آپ اس وقت صحیح طور پر مع نہدشاخ پر میوہ سر برز میں کا مصداق معلوم ہو رہے تھے۔
 حضرت والد ماجد نے بھی ان کا بڑا اکرام فرمایا۔ دونوں بزرگوں کی یہ محفل تواضع
 و فروتنی کا عجیب مرقع تھی۔ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعوت قبول فرمائی
 لیکن پھر بعض عوارض کی وجہ سے اس سفر کی نوبت نہیں آئی۔
 حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ حضرت مولانا مرحوم کی خدمات کو قبول فرماویں اور ان
 کے درجات بلند فرمائیں، آمین۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت مولانا عبدالبرقاسم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

اخبارات سے معلوم ہو کر بڑا افسوس ہوا کہ حضرت مولانا عبدالبرقاسم صاحب بھی
 وفات پا گئے ہیں، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ شیخ التفسیر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ملتانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے
 فرزند گرامی اور جانشین تھے۔ ۱۹۳۶ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد کی نگرانی
 میں حاصل کی ۱۳۷۸ھ میں جامعہ قاسم العلوم ملتان سے دورہ حدیث شریف کیا، فراغت
 کے بعد جامعہ ہی میں تدریس کا آغاز کیا، تدریس کے ساتھ بہترین انتظامی صلاحیتوں کی
 وجہ سے ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۴ء میں آپ جامعہ کے نائب مہتمم قرار پائے اور ۱۴۰۸ھ میں آپ کو
 مہتمم بنادیا گیا، آپ کے دور اہتمام میں جامعہ نے بہت ترقی کی۔

تدریس و اہتمام کی خدمت کے ساتھ تصنیف و تالیف سے بھی آپ کو خصوصی لگاؤ
 تھا۔ نقش حیات امام اعظم، حقیقت فقہ، تاریخ علم نحو، تاریخ ہجرت، تاریخ مدارس دینیہ وغیرہ
 کئی کتب طبع ہو چکی ہیں۔ آپ آخر تک دینی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ بالآخر ۹ نومبر
 ۲۰۱۵ء سوا بارہ بجے رات انتقال فرما گئے۔ پسماندگان میں چھ بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں جبکہ
 روحانی اولاد کی تعداد ہزاروں میں ہے جو آپ کے لیے بہترین صدقہ جاریہ ہے۔

احقر نا کارہ کو سب سے پہلے آپ کا تعارف طالب علمی کے دور میں آپ کی کتاب تاریخ نحو سے ہوا۔ احقر نے اس سے بہت فائدہ اٹھایا اور نحو کی تاریخ، ائمہ نحو کے حالات اور کتب نحو کا تعارف تفصیلاً اسی کتاب سے ہوا۔

آپ کی زیارت عرصہ دراز کے بعد اس وقت ہوئی جب آپ عین گرمی کے موسم میں صبح صبح جامعہ حقانیہ تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ چند رفقاء بھی تھے۔ حضرت والد ماجد اس وقت تک جامعہ تشریف نہیں لائے تھے، احقر جامعہ میں تھا اس لیے پہلے مجھ سے ملاقات ہوئی تعارف ہونے پر احقر کو بہت خوشی ہوئی۔ حضرت والد صاحب کچھ دیر میں تشریف لے آئے، انہیں بھی حضرت مولانا کے تشریف لانے سے بڑی مسرت ہوئی دونوں حضرات کی دیر تک مجلس رہی، حضرت مولانا نے بھی غیر معمولی مسرت کا اظہار فرمایا اس وقت انہوں نے جامعہ قاسم العلوم گلگشت کالونی سے متعلق بڑے عجیب و غریب تعلیمی و تعمیری منصوبوں کا اظہار فرمایا اور اس سلسلہ میں ایک مطبوعہ خاکہ بھی پیش فرمایا، آپ جامعہ قاسم العلوم کو صحیح معنی میں ایک عظیم اسلامی یونیورسٹی بنانے کی فکر میں تھے اور تعمیری کے ساتھ ساتھ تعلیمی منصوبے بھی اپنے ذہن میں رکھتے تھے، اگر ان پر عمل ہو جاتا تو واقعہ قاسم العلوم ایک نادرہ روزگار یونیورسٹی بن جاتا لیکن ان امر اللہ قدر اقدس۔

حضرت مولانا مرحوم نے اس وقت اس واقعہ کا بھی ذکر فرمایا کہ اس وقت جدہ میں ایک معمرہ خاتون ہیں جن کی عمر سو سال سے متجاوز ہے لیکن ان کی دینی علمی تاریخ تفسیری معلومات کا یہ حال ہے کہ اگر ان کے سامنے کسی آیت کے حوالہ سے سوال کیا جائے تو وہ اس کی پوری تاریخ تفسیر بیان کر دیتی ہیں۔

مثلاً اگر کسی نے انکو کے متعلق سوال کیا تو وہ نہ صرف اس کا ترجمہ بلکہ پوری تاریخ بیان کر دیتی ہیں۔ حضرت والد ماجد رحمہ اللہ ان کی باتوں سے بہت محظوظ ہوئے اور ان کے بلند و عالی خیالات کی بڑی تعریف اور حوصلہ افزائی فرمائی۔ اس واقعہ سے مولانا مرحوم

کا علمی ذوق واضح ہے۔

احقر کی ان سے بس یہی ایک ملاقات ہوئی اس کے بعد پھر کبھی ملاقات کی نوبت نہیں آئی۔ دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائیں اور ان کے پس ماندگان کو صبر و اجر عطا فرمائیں، آمین۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

مولانا مفتی عبدالمعید صاحب مرحوم

یکم ستمبر ۲۰۱۵ء کو احقر دارالعلوم کبیر والا کی مجلس شوریٰ میں شرکت کے لیے کبیر والا جا رہا تھا اور کافی سفر طے کر چکا تھا کہ برادر عزیز و محترم مولانا مفتی طاہر مسعود صاحب زید مجدہم کا فون آیا کہ مولانا مفتی عبدالمعید صاحب انتقال کر گئے ہیں، جنازہ کے بارے میں معلوم ہوا کہ رات گیارہ بجے ہوگا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا مرحوم ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے ان کے دادا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ کے خاص تلمیذ اور جامعہ سراج العلوم کے بانی و شیخ الحدیث تھے جبکہ والد ماجد حضرت مولانا مفتی احمد سعید رحمہ اللہ تعالیٰ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور جامعہ سراج العلوم کے شیخ الحدیث اور عظیم فقیہ تھے۔ مولانا عبدالمعید مرحوم نے اس علمی خاندان میں پرورش پائی اور اپنے عظیم والد ماجد اور چچا حضرت قاری عبدالسمیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ مہتمم جامعہ سراج العلوم سرگودھا اور دیگر اساتذہ کرام کے سامنے زانوئے تلمذ طے کئے اور بالآخر جملہ علوم و فنون پڑھ کر اسی مرکز سے فراغت حاصل کی اور پھر ساری زندگی علمی تبلیغی خدمات کے لیے وقف رہے، تدریسی خدمات سراج العلوم میں انجام دیں اور تدریجی ترقی کرتے ہوئے دورہ حدیث شریف تک درس نظام کی کتب پڑھانے کا موقع ملا اور آخر میں جامعہ کے مہتمم بھی رہے۔ ایک عرصہ تک سراج العلوم کی مرکزی مسجد کے خطیب اور مختلف مقامات پر بیانات

کے لیے بھی جاتے رہے۔ مرحوم ایک اچھے مدرس اور عمدہ مبلغ تھے ان میں درس و تدریس اور افتاء کے ساتھ تصنیف و تحریر کی صلاحیتیں بھی موجود تھیں۔

ایک عرصہ سے وہ دمہ جیسی مہلک مرض کا شکار تھے، بالآخر یہی مرض جان لیوا ثابت ہوا اور وہ دارالفرار سے دارالقرار کی طرف روانہ ہوئے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں تمام زلات کو معاف فرما کر ان کے درجات کو بلند فرمائیں۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب سرگودھوی، حضرت مفتی احمد سعید صاحب اور حضرت قاری عبدالسمیع صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ کے حضرت والد صاحب سے خاص تعلقات تھے اس لیے حضرت والد صاحب کو اپنے والد کی طرح سمجھتے تھے اور حضرت بھی ہمیشہ ان سے شفقت و عنایت کا معاملہ فرماتے تھے۔

حضرت مفتی احمد سعید صاحب کی وفات کے بعد اس تعلق میں مزید اضافہ ہوا، مرحوم تقریباً ہر اہم معاملہ میں ساہیوال رجوع کرتے اور حضرت والد صاحب رحمہم اللہ جو کچھ ارشاد فرماتے اس کی دل و جان سے قدر کرتے اور حتی الامکان اس پر عمل بھی کرتے۔ حضرت والد صاحب کی حیات تک یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔

مرحوم کو اپنے اکابر سے بڑی محبت تھی اور مسلک و مشرب کے لحاظ سے بھی وہ بڑے پختہ تھے چنانچہ اس حوالہ سے سرگودھا میں جب ایک طبقہ نے علماء دیوبند کی متفقہ تحقیق سے اختلاف کیا تو ان کے مقابلہ کے لیے مرحوم نے بغیر خوف لومۃ لائم ڈٹ کر مضامین لکھے اور بزم قاسمی کا دفتر جو عرصہ سے سرد مہری کا شکار تھا اس کا دوبارہ احیاء کیا۔ حضرت والد ماجد اور حضرت قاری عبدالسمیع صاحب کے ہاتھوں اس کا افتتاح کرایا اور پھر خوب کام کیا۔

اسی طرح جب بعض حضرات نے یزید کی حمایت میں رسائل و مضامین لکھنے شروع کیے تو انہوں نے ”فسق یزید“ کے نام سے بڑا عمدہ رسالہ تحریر کیا اور ساہیوال آ کر حضرت

والد ماجد کو پورا رسالہ سنایا اور ان سے تصدیق لے کر اسے شائع کیا اور پھر سرگودھا میں مجلس علمی کا اجلاس طلب کیا جس میں کئی علماء کرام نے جمع ہو کر ان کے موقف کی تائید اور فریق مخالف کی موقف کی تردید میں تحریر لکھی اور اسے بھی شائع کر کے تقسیم کیا گیا تاکہ صحیح مسلک واضح رہے۔

فریق مخالف نے جب اس کی تردید کی تو حضرت والد ماجد رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں مستقل رسالہ تحریر فرمایا جو کئی مرتبہ شائع ہو کر تقسیم ہوا۔ یہ سب مولانا عبدالمعید صاحب مرحوم کی محنت اور توجہ دلائی کا نتیجہ تھا، اللہ تعالیٰ ان کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائے۔

احقر پہلے لکھ چکا ہے کہ مولانا مرحوم سرگودھا بلاک نمبر ۱ کی جامع مسجد کے خطیب تھے، یہ مسجد چونکہ اوقاف کے ماتحت تھی، ایک مرتبہ محکمہ نے ان کا تبادلہ کر دیا، انہوں نے تبادلہ رکوا دیا لیکن محکمہ نے پھر تبادلہ کر دیا اس طرح کئی مرتبہ ہوا۔ حضرت والد صاحب کو جب پتہ چلا کہ ان کا بار بار تبادلہ ہو رہا ہے تو ہنس کر فرمانے لگے کہ نام کا بھی اثر ہوتا ہے۔ حضرت والد صاحب کے ساتھ مرحوم کو بہت تعلق تھا، جب ان کی وفات ہوئی تو مرحوم نے اس کا بہت اثر لیا ہماری تسلی کے لیے کئی مرتبہ ساہیوال آئے اور پھر ہمیشہ برادرانہ تعلقات رکھے اور ان کا خوب لحاظ کیا۔

اہم مسائل و معاملات میں احقر سے مشاورت کا سلسلہ آخر تک جاری رہا، فون کے علاوہ کئی مرتبہ ساہیوال بھی تشریف لاتے اور احقر کے جوابات پر بڑے اطمینان کا اظہار فرماتے۔ بارہا جامعہ سراج العلوم کے سالانہ جلسہ پر دعوت دی، احقر حاضر ہوتا تو احقر کا بیان خوب ذوق سے سنتے اور داد دیتے ایک مرتبہ تعلیمی افتتاح کے موقع پر احقر نے جامعہ کی تاریخ اور اکابر کے حالات بیان کیے تو بڑی حیرانگی کے ساتھ کہنے لگے بہت سی باتوں کا ہمیں آج آپ کے بیان سے علم ہوا۔ غرضیکہ ان میں فروتنی اور عاجزی کوٹ کوٹ

کربھری ہوئی تھی۔ خوردنوازی، ان کی حوصلہ افزائی ان کا خاص وصف تھا۔

تحصیل ساہیوال کے ایک گاؤں گوگوچکی میں وہاں کے مہاتپوں نے حضرت مولانا عبدالغفار صاحب تونسوی مدظلہم کو مناظرہ کا چیلنج دے دیا اور مناظرہ کے لیے ۱۵ اپریل ۱۹۹۲ء کی تاریخ طے ہوئی۔ مقررہ تاریخ پر فریقین گوگوچکی پہنچ گئے۔ فریق مخالف اپنے تعلق والوں کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا جبکہ ہم سب مسجد میں پہنچ گئے۔ دوسرے فریق کو پتہ چلا تو وہ بھی مسجد میں آگیا اور انہوں نے بے طریقہ گفتگو شروع کر دی جس سے مسجد کا ماحول متاثر ہوا، بات مناظرہ کی بجائے مجادلہ تک پہنچ گئی۔ فریق مخالف نے انک لا تسامع الموتی پڑھنی شروع کر دی۔ مولانا عبدالمعید مرحوم بھی مسجد میں ہمارے ساتھ موجود تھے انہوں نے بڑے خاص انداز میں بل احیاء سے ان کا جواب دیا۔ یہ جواب ایسا بر محل اور ایسے انداز سے دیا گیا کہ سب ہی محظوظ ہوئے اور فریق مخالف کو بھی لا جواب ہونا پڑا اور بالآخر وہ مسجد سے نکلنے پر مجبور ہو گئے۔

ایک مرتبہ سرگودھا میں ایک صاحب کے بارہ میں بعض ذرائع سے معلوم ہوا کہ ان کے مرزائیوں سے تعلقات ہیں اس بنا پر بعض حضرات نے انہیں مشکوک قرار دے دیا جبکہ بعض کا خیال تھا کہ یہ خود بھی مرزائی ہیں ان کے بارہ میں دو فریق بن گئے اور معاملہ کافی الجھ گیا۔ مولانا عبدالمعید صاحب مرحوم نے بھی ان کے قادیانی ہونے کا فتویٰ جاری کر دیا جبکہ ان صاحب کا موقف یہ تھا کہ میں مسلمان ہوں میرا مرزائیوں سے کوئی تعلق نہیں، بہر حال معاملہ ثالثی تک پہنچ گیا، تین حضرات کو فریقین نے ثالث تسلیم کر لیا احقرنا کارہ بھی ان میں شامل تھا، ایک تاریخ طے ہوئی جس پر فریقین جمع ہوئے، ان سے بیانات لیے گئے پھر ثالث حضرات نے متفقہ طور پر ایک فیصلہ لکھا جس میں تصریح تھی کہ:

”مدعی علیہ کو کافر نہیں کہا جاسکتا تاہم احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ وہ تجدید ایمان اور تجدید نکاح کر لیں۔“

ان صاحب نے ثالث حضرات کا فیصلہ تسلیم کرتے ہوئے ایمان اور نکاح کی تجدید کر لی یوں یہ قضیہ نامرضیہ ختم ہوا، مگر ہمارے فیصلے کے خلاف مولانا مرحوم نے ایک پمفلٹ شائع کیا جس میں ثالث حضرات کے فیصلے کو غلط قرار دیتے ہوئے ان صاحب کو بدستور مرزائی قرار دینے پر اصرار کیا، اس سے ایک مرتبہ پھر خلفشار کا اندیشہ تھا لیکن جب مرحوم سے زبانی بات کی گئی تو وہ بعض تحفظات کے ساتھ انہیں مسلمان تسلیم کرنے پر راضی ہو گئے، باوجودیکہ ان کے رسالہ کا جواب دیا جاسکتا تھا لیکن اس کے بجائے ان سے باہم گفت و شنید کو ترجیح دی گئی جس کا یہ فائدہ ہوا کہ مرحوم نے کسی اصرار و انکار کے بغیر ہمارے فیصلے کو تسلیم کر لیا اور اس سب کچھ کے باوجود تعلقات میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا اور یہ ان کی خوبی تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، پسماندگان کو صبر و اجر دیں اور ان اولاد کو صحیح معنی میں ان کا جانشین بنائے، آمین۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب مرحوم آف بھکر

گزشتہ دنوں بعض احباب سے معلوم ہوا کہ مخدوم و مکرم حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب مہتمم جامعہ فاروقیہ بھکر علیل ہیں اور صحت دن بدن کمزور ہوتی جا رہی ہے۔ حضرت کا علاج بھی جاری رہا اور صحت کے لیے دعائیں بھی، بالآخر وقت موعود آن پہنچا اور آپ ۱۱ دسمبر ۲۰۱۵ء کو انتقال فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا مرحوم بزرگوں کی یادگار اور خود بھی بزرگوں میں سے تھے۔ جامعہ سراج العلوم سرگودھا کے قدیم فاضل اور جمعیت علماء اسلام (ف) کے سرپرست تھے۔ انہیں اپنے اکابر و مشائخ سے بڑی عقیدت اور محبت تھی ملنے والوں کو ہمیشہ اپنے اکابر کے حالات و واقعات سناتے اور ان کے کارناموں پر روشنی ڈالتے تھے۔ اہل السنۃ مکتب فکر کے مابین پیدا کردہ بلاوجہ تفریق اور نزاع کے آپ سخت خلاف تھے، دیوبندی اور بریلویوں

دونوں میں باہم مشترک امور پر اتحاد و اتفاق ان کا خاص موضوع تھا۔ ”علماء دیوبند اور مشائخ پنجاب“ اس موضوع پر ان کا جواب رسالہ ہے۔

حضرت اقدس شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی اور حضرت مولانا عبدالقادر راپوری نور اللہ مرقدہما سے عقیدت و محبت ان کی کتاب ”تذکرہ حضرت مدنی“ اور ”ملفوظات حضرت راپوری“ سے واضح ہے۔ ”شان رسالت اور علماء دیوبند“ آپ کا بڑا نافع مفید اور مقبول رسالہ ہے۔ اس سے اکابر علماء دیوبند پر نام نہاد اعتراضات کا قلع قمع ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی حضرت رسول اکرم ﷺ سے ان کی گہری عقیدت و محبت کا بھی پتہ چلتا ہے۔

احقر ناکارہ کو بچپن سے ہی آپ کے مذکورہ مضامین اور رسائل کی وجہ سے آپ کا تعارف تھا۔ عرصہ دراز کے بعد پہلی ملاقات بھکر مدرسہ میں ہوئی۔ تعارف ہونے پر آپ بڑے خوش ہوئے۔

حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تقاریر میں کئی مرتبہ فتنہ ارتداد کے انسداد کے لیے احقر کے جد امجد حضرت مولانا مفتی عبدالکریم گم تھلوی اور حضرت مولانا عبدالحمید کچھراوی رحمہما اللہ تعالیٰ کی مساعی جمیلہ اور کوششوں کا تذکرہ بڑی تفصیل سے فرمایا تھا اس لیے حضرت مولانا مرحوم بھی یہ واقعات سناتے تھے۔ ایک مرتبہ جن میں پروگرام تھا احقر بھی اس میں مدعو تھا، حضرت مولانا مرحوم بھی تشریف لائے ہوئے تھے، وہاں انہوں نے احقر کے سامنے بھی اس تبلیغی جدوجہد کے واقعات سنائے۔

حضرت والد گرامی رحمہ اللہ تعالیٰ سے تعلقات اور حضرت جد امجد کی خدمات اور حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ سے ان کے خصوصی تعلقات کی وجہ سے احقر ناکارہ پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔ چند سال پہلے جامعہ مفتاح العلوم سرگودھا میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے تحت ڈویژن سرگودھا کا اجلاس تھا اس میں حضرت مولانا مرحوم بھی

تشریف لائے، نجی مجلس میں آپ نے اپنے تعلیمی دور کے حوالہ سے کافی واقعات سنائے اور حضرت علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے جامعہ سراج العلوم سرگودھا میں تدریس کا ذکر بھی فرمایا۔

احقر ایک مرتبہ مولانا سید صادق حسین شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لیے مدرسہ علوم شرعیہ جھنگ حاضر ہوا، وہاں حضرت مولانا مرحوم بھی تشریف فرما تھے، ملاقات سے بہت خوشی ہوئی۔ اسی دوران حضرت شاہ صاحب کے پاس ایک مقدمہ پیش ہوا جس میں فریقین سے بیانات لے کر فیصلہ کرنا تھا۔ حضرت شاہ صاحب نے ازراہ شفقت باصرار وہ مقدمہ احقر کے سپرد کر دیا، احقر نے وہ مقدمہ سنا اور فریقین کے بیانات لیے، گواہوں پر جرح و قدح ہوئی، مدعی اور مدعی علیہ دونوں سے خوب احتیاط اور حزم سے سوال و جواب کئے اور پھر اس کے بعد احقر نے اس مقدمہ کا فیصلہ کر دیا۔ حضرت مولانا مرحوم بھی اس کارروائی کے دوران موجود تھے اور پورے طور پر احقر کی طرف متوجہ تھے، احقر کے طریق کار کو دیکھ کر بہت خوش و مطمئن ہوئے اور بعد میں احقر کے فیصلہ کو بہت سراہا اور ازراہ عنایت و خوردنوازی انہوں نے اس فیصلہ پر بڑی داد دی، اس کے بعد سے احقر پر مسائل میں کسی قدر اعتماد بھی فرمانے لگے، احقر کے جاننے والے حضرات سے ملنے پر اس فیصلے کا حوالہ دے کر ہمیشہ خوشی کا اظہار فرماتے اور دعائیں دیتے جو احقر کے لیے بڑی سعادت تھی۔ ۱۴۲۲ھ میں احقر حج کے لیے مکہ معظمہ حاضر ہوا تو وہاں مقام ابراہیم کے سامنے حضرت سے ملاقات ہوئی بڑی دعائیں دیں اور بہت خوش ہوئے اور پھر بعض مسائل بھی دریافت فرمائے، احقر نے جوابات عرض کئے تو اطمینان کا اظہار فرمایا۔

دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمادیں اور ان کے پسماندگان کو صبر و اجر سے نوازیں، نیز ان کی اولاد صالحہ کو ان کا جانشین اور ان کے ادارہ کو ان کے لیے بہترین صدقہ جاریہ بنائے، آمین۔ فقط

حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

درس حدیث

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے خروج دجال سے لے کر حشر تک کے بلکہ میدان حساب میں جمع ہونے تک کے بعض واقعات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اس طرح کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں جن میں قیامت سے پہلے ہونے والے بعض اہم واقعات کا اور قیامت اور اس کے بعد کی منزلوں کا بیان اس سے بھی زیادہ اجمال کے ساتھ یا اس سے کچھ زیادہ تفصیل سے کیا گیا ہے۔ ان سب حدیثوں کے متعلق یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ سینکڑوں ہزاروں سال کی مدت میں ہونے والے واقعات کا بہت ہی مجمل بیان کیا گیا ہے جو لوگ اس نکتہ کو ملحوظ رکھیں گے ان شاء اللہ وہ ان حدیثوں کے بارہ میں بہت سے شبہات اور وساوس سے محفوظ ہو جائیں گے۔

حدیث کے آخر میں ذکر کیا گیا ہے کہ فرشتوں کو بتلایا جائے گا کہ ایک ہزار میں سے نو سو ننانوے جہنم والے ہیں، دنیا میں مؤمنین اور غیر مؤمنین کا جو تناسب ہے اور جو اکثر زمانوں میں رہا ہے، اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے اہل جہنم کی یہ تعداد مستبعد معلوم نہیں ہوتی، تاہم بعض شارحین نے لکھا ہے کہ ان ۹۹۹ فی ہزار میں سے بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہوگی جو اگرچہ اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے دوزخ کے قابل ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے یا شافعیین کی سفارش سے آخر میں وہ نجات پا جائیں گے۔ اللھم ان مغفرتک اوسع من ذنوبنا اور حمتک ارجی عندنا من اعمالنا۔

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف انعم وصاحب الصور قد التقمہ واصغی سمعہ وقنی جہتہ ینتظر متی یومر بالنفخ فقالوا یا رسول اللہ فماتامرنا؟ قال قولوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں کیونکر خوش اور بے غم رہ سکتا ہوں، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ صور والافرشتہ صور کو اپنے منہ میں لیے ہوئے ہے، اور اپنا کان اس نے لگا رکھا ہے، اور اس کی پیشانی خمیدہ اور جھکی ہوئی ہے، وہ انتظار کر رہا ہے کہ کب اس کو صور کے پھونک دینے کا حکم ہو، اور وہ پھونک دے (یعنی جب مجھے اس واقعے کا علم ہے تو میں کیسے اس دنیا میں اطمینان اور خوشی سے رہ سکتا ہوں) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! تو ہمیں آپ کا کیا حکم ہے (ان کا مطلب یہ تھا کہ جب معاملہ اتنا خطرناک ہے تو ہماری رہنمائی فرمائیے کہ قیامت کی ہولناکیوں اور سختیوں سے بچنے کے لیے ہم کیا کریں؟) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہتے رہا کرو حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ (ترمذی)

عن ابی زرین العقیلی قال قلت یا رسول اللہ! کیف یعید اللہ الخلق وما یدلک فی خلقہ قال اما مررت بوادی قومک جدباً ثم مررت به یهتز خضراً قلت نعم قال فتلك اية الله فی خلقه كذلك یحی اللہ الموتی۔

ابوزرین العقیلی سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے (ایک دفعہ) عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ مخلوق کو دوبارہ کیسے پیدا کرے گا، اور (اس عالم میں) اس کی مخلوق میں اس کی کیا نشانی ہے (اور کیا دلیل اور مثال ہے) آپ نے فرمایا: کیا تمہارے لیے ایسا کبھی نہیں ہوا کہ تم اپنی قوم کی وادی پر ایسی حالت میں گزرے ہو جبکہ وہ (پانی نہ برسنے کی وجہ سے) سبزے سے خالی اور خشک ہو اور پھر کبھی ایسی حالت میں گزرے ہو جبکہ وہ (پانی برس جانے کی وجہ سے) وہ ہری لہلہا رہی ہو۔ (ابوزرین کہتے ہیں) میں نے عرض کیا ہاں! (ایسا ہوا ہے اور میں نے یہ دونوں منظر دیکھے ہیں) آپ نے فرمایا: بس (حیات بعد الموت کو سمجھنے کے لیے) یہی اللہ کی نشانی ہے اس کی مخلوق میں، ایسے ہی زندہ کر دے گا اللہ مُردوں کو۔ (رزین)

مرسلہ: بندہ محمد صدیق عفا اللہ عنہ

ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ

جمع و ترتیب: حضرت صوفی علی محمد قدس سرہ

- میں تو اہل علم کو ہمیشہ یہی وصیت کرتا ہوں کہ تم ہرگز لوگوں سے روپیہ کا سوال نہ کرو۔ خدا پر توکل کرو ان شاء اللہ یہ سب جھک مار کر تم کو خود لالا کر دیں گے۔
- میں نے اس مدرسہ میں یہ بھی رائے دی ہے جو قبول کر لی گئی کہ ایک نصاب ایسا بنایا جائے جس سے اردو فارسی میں لوگ دینیات حاصل کر سکیں اور میری رائے میں ہر مدرسہ کے اندر ایک ایسا نصاب ہونا چاہئے۔
- فقہ کا فن بہت دقیق ہے اسی لیے میں فقہ حنفی کے سوا کسی دوسرے مذہب کی فقہی کتاب طلباء کو پڑھانے کی جرأت نہیں کرتا۔
- الحمد للہ میرے دل میں کسی کی طرف سے کینہ کبھی نہیں ہوتا۔ ہاں دوستانہ شکایت کبھی پیدا ہو جاتی ہے وہ بھی قائم نہیں رہتی جلدی زائل ہو جاتی ہے۔
- آج کل طبیعتوں کو دیکھتے ہوئے یہ تجربہ ہے کہ شوق دلانے والے مضامین سے زیادہ نفع ہوتا ہے بہ نسبت خوف دلانے والے مضامین کے۔ اسی واسطے میں ترہیب کے مضامین زیادہ نہیں بیان کرتا ہوں۔ ترغیب کے مضامین زیادہ بیان کرتا ہوں۔
- میں کھانے پر اصرار کرنے کو بہت برا سمجھتا ہوں کسی کو بے بھوک کھانا نہ ہر دینا ہے لوگوں میں مرض ہے کہ اصرار کر کے کھلایا کرتے ہیں۔
- بدون تائید سلف کے میں قرآن کے ایک لفظ کی تفسیر بھی گوارہ نہیں کرتا کیونکہ تفسیر بالرائے سے ڈر لگتا ہے۔ ہاں نکات و لطائف بیان کرنے کا مضائقہ نہیں کیونکہ وہ تفسیر میں داخل نہیں بلکہ امر زائد کی تفسیر سے ہیں۔

○ مجھے اس کی بہت مسرت ہوتی ہے کہ اپنے اقوال کی تائید سلف کے اقوال میں مل جائے۔ بعض لوگ تو سلف سے اپنا علم منقول دیکھ کر افسردہ ہو جاتے ہیں کہ ہائے ہمارا تفرّد باطل ہو گیا اور میں خوش ہوتا ہوں کہ الحمد للہ وہیں ذہن گیا جہاں مقبولان الہی کا ذہن گیا تھا۔ اکابر کے علوم سے اپنے علوم کی موافقت بڑی دولت ہے جو نعمت صحت مذاق و سلامت فہم کی علامت ہے۔

○ فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا فضل الرحمن صاحب نے ایک خادم سے فرمایا کہ جب آیا کرو تنہا آیا کرو کسی کو ہمراہ لے کر نہ آیا کرو مجھے خیال ہوا کہ اس میں کیا مصلحت ہے؟ اس وقت کوئی مصلحت سمجھ میں نہ آئی لیکن چند روز کے بعد معلوم ہوا کہ یہ ارشاد نہایت مصلحت پر مبنی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر شخص کی استعداد اور مطلوب جدا ہوتا ہے اور اس کے موافق اس شخص سے برتاؤ کرنا مناسب ہوتا ہے۔ اگر کسی کے ساتھ ہو تو بسا اوقات ایک کی رعایت سے دوسرے کے ساتھ بھی وہی برتاؤ کرنا پڑتا ہے اور وہ نامناسب ہوتا ہے چنانچہ تجربہ کے بعد مجھے خود اس کی ضرورت محسوس ہوئی۔

○ فرمایا: میرا بھتیجا شبیر علی میرے پاس رہتا تھا۔ ان کے والد خرچ بھیتے تھے میں اس کا حساب ان کے پاس روانہ کر دیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ انہوں نے شکایت کی کہ حساب لکھ کر بھیجنے کی کیا ضرورت ہے؟ میں نے جواب دیا کہ اس میں مصلحت ہے چنانچہ ان کی سمجھ میں بھی وہ مصلحت آگئی۔ وجہ یہ ہے کہ ہر شخص کا خرچ تخمین کے موافق نہیں ہوتا۔ تو جب اپنے زعم کے خلاف پیش آوے اور اس کی وجہ معلوم ہو جائے تو کوئی خیال پیدا نہیں ہوتا۔ حکماء عرب کا قول ہے: تعاشر واکالاخوان وتعاملواکالا جانب۔

○ فرمایا کہ میں نے گھر میں عشاء کے بعد ایسی بات پوچھنے کو کہنے کو منع کر رکھا ہے جس میں سوچنا پڑے کیونکہ نیند جاتی رہتی ہے۔ اس سے حدیث کا راز معلوم ہوتا ہے کہ عشاء کے بعد سمر یعنی قصہ اور باتوں سے منع فرمایا ہے۔

(اشرف الممولات)

مرتبہ: مولانا ڈاکٹر فیروز الدین شاہ زید مجاہد

فضائل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

خطاب: فقیہ العصر مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

بتاریخ: ۲۴ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۰ جنوری ۱۹۸۳ء

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله
من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله
فلا هادي له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان سيدنا ومولانا
وحبيبنا وشفيعنا محمدا عبده ورسوله صلى الله تعالى عليه وعلى اله واصحابه
وبارك وسلم اما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم
تلك آيت الله نتلوها عليك بالحق وانك لمن المرسلين - تلك الرسل فضلنا
بعضهم على بعض منهم من كلم الله ورفع بعضهم درجات واتينا عيسى ابن
مريم البنت وايدنه بروح القدس، صدق الله العظيم۔

يارب صلى وسلم دائما ابدا على حبيبك خير الخلق كلهم

ترجمہ آیات کریمہ

یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں جو صحیح صحیح طور پر ہم تم کو پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور (اس
سے یہ ثابت ہے کہ) آپ بلاشبہ پیغمبروں میں سے ہیں، یہ حضرات مرسلین ایسے ہیں کہ ہم
نے ان میں سے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت دی ہے (مثلاً) بعضے ان میں وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ
سے ہم کلام ہوئے ہیں (یعنی موسیٰ) اور بعضوں کو ان میں سے بہت سے درجوں پر سرفراز
کیا اور ہم نے (حضرت) عیسیٰ بن مریم کو کھلے کھلے دلائل عطا فرمائے اور ہم نے ان کی
تائید روح القدس (یعنی جبریل) سے فرمائی (بیان القرآن سورۃ البقرہ)

تشریح

اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تفاضل کا مسئلہ بیان کیا ہے اور بتلایا ہے کہ بعض نبی دوسرے نبیوں سے بعض اعتبار سے فضیلت رکھتے ہیں۔

آیت کا ترجمہ یوں ہے تِلْكَ اٰیٰتُ اللّٰهِ تَتْلُوْهَا عَلَیْكَ بِالْحَقِّ یٰۤاَللّٰهُمَّ تَعَالٰی کی آیات ہیں جن کو ہم تمہارے اوپر صحیح صحیح پڑھتے ہیں، اللہ نے اپنی طرف تلاوت کی نسبت کی ہے کہ ہم تمہیں یہ آیتیں ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سنارہے ہیں، اللہ تبارک و تعالیٰ خود فرما رہے ہیں کہ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم قرآن پڑھ کے آپ کو سنارہے ہیں وانك لمن المرسلین آپ یقیناً رسولوں میں سے ہیں، رسولوں کا ذکر اس آیت میں آگیا جس سے معلوم ہوا کہ آپ رسول ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول صرف آپ ہی نہیں بہت سے ہیں۔

ان سب باتوں کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں تِلْكَ الرِّسَالُ وہ رسول جن کا ذکر انك لمن المرسلین میں آچکا تھا ان رسولوں کے مرتبے، درجے ایک جیسے نہیں بلکہ ان کو ہم نے ایک پر دوسرے کو فضیلت دی ہے، معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی آپس میں فضیلتوں میں فرق ہے، اور بعض کو بعض پر فضیلت اللہ نے عطا فرمائی ہے منهم من كلم الله بعضہ ان میں سے وہ ہیں کہ جن سے اللہ نے کلام کیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلت عطا فرمائی ہے کہ دنیا ہی میں ان سے کلام فرمایا، و رفع بعضهم درجات اور ان میں سے بعض نبیوں اور رسولوں کے درجات بڑھادیئے، و اتینا عیسیٰ ابن مریم البینت اور مریم کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام (جو نبی اور رسول ہیں) ان کو ہم نے بہت سے معجزات عطا فرمائے، و ایدنہ بروح القدس اور عیسیٰ ابن مریم کی تائید کی ہم نے جبریل کے ذریعے جن کا لقب روح القدس ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم افضل الانبیاء ہیں

اس آیت میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے لئے منہم من کلم اللہ کے لفظ سے فضیلت کو ظاہر فرمایا اور حضرت عیسیٰ کے لئے تائید روح القدس اور معجزات و بینات کا عطا کرنا ذکر فرمایا اور درمیان میں و رفع بعضهم درجات ذکر فرمایا کہ بعض رسولوں کے درجات کو ہم نے بلند کر دیا، بعض کون ہیں جن کے درجات کو بلند کیا اس کا ذکر نہیں کیا، اسی طرح رفع درجات میں درجات کا ذکر تو آیا مگر حد نہ بیان کی کہ کتنے درجات بلند کیے۔ بعضہم میں ہم ضمیر رسل کی طرف لوٹ رہی ہے کیونکہ بات رسولوں کی ہی ہو رہی ہے، رسولوں ہی میں سے کسی سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا اور بعض کے درجات بلند کر دیے، لیکن بلندی درجات کتنی ہے وہ بیان نہیں کی اور بعض رسول کون ہیں جن کے درجات بلند کئے اس کو بھی ذکر نہیں کیا مگر اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ فضلنا بعضہم علی بعض میں جن رسولوں کو فضیلت دی گئی ہے ان میں فضیلت کے بھی مراتب ہیں کچھ ادنیٰ مراتب کے ہیں کچھ اعلیٰ مراتب کے ہیں۔

فضیلت کی دو قسمیں

یادوں کہئے کہ فضیلت کی دو قسمیں ہیں ایک فضیلت جزئی اور ایک فضیلت کلی، فضیلت جزئی کہتے ہیں کہ کسی خاص فضیلت میں دوسرے سے زیادہ بڑھا ہوا ہونا، انبیاء علیہم السلام میں فضائل جزئیہ ہیں، اس طرح کہ بہت سے نبیوں میں بہت سی ایسی خاصیتیں اللہ تعالیٰ نے رکھی ہیں اور ان کو خصوصی ایسے کمالات عطا فرمائے ہیں کہ جس سے وہ دوسرے انبیاء علیہم السلام سے ممتاز اور جدا ہیں اور یہ فضیلت ان کو جزئی حاصل ہوئی لیکن جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو انبیاء میں بہت بڑے نبی اور افضل الانبیاء ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو فضیلت ہے وہ فضیلت کلی ہے، تمام انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر ان کی فضیلت ہے اور اس آیت فضلنا بعضہم علی بعض میں بعض سے مراد نبی کریم محمد رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم ہیں، یہاں آپ کا نام لے کر بیان نہیں کیا کہ ہم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درجات کو بلند کر دیا، یہاں نام کی بجائے ”بعض“ کے لفظ سے بیان کیا اور ابہام رکھا۔

بلاغت کا ایک قاعدہ لکھا ہے جسے علامہ زخشری جو کہ عربیت کے امام ہیں اور علامہ ابوالسعود جو بہت بڑے مفسر اور ادیب ہیں نے بیان کیا ہے کہ ابہام ایسی جگہ کیا جاتا ہے کہ جہاں یہ معلوم ہو کہ اس کے سوا کوئی آدمی مراد ہی نہیں ہو سکتا کہ بغیر نام کے بھی وہی شخصیت مراد ہوگی خود بخود وہی ذہن میں آجائے کوئی اور اس کا مصداق ہی نہیں، تو نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دلوں میں بیٹھے ہوئے ہیں کی جب یوں کہا جائے کہ نبیوں میں سب سے بڑھ کر درجات ان کو دئے گئے ہیں تو سوائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی نام دل میں آتا ہی نہیں، تو گویا تصریح نہ کرنے سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اور زیادہ مبلغ طریقہ سے فضیلت ثابت ہوتی ہے تو اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کلی طور پر معلوم ہوئی، اس کی تفصیل و تشریح احادیث شریفہ میں آچکی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فضائل خود بیان فرمائے اور ولادت و پیدائش سے پہلے کے جو حالات تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ بھی بیان فرمائے، وصال کے جو فضائل ہیں وہ بھی بیان فرمائے اور پیدائش کے بعد نبوت کے اعلان سے پہلے کے حالات بھی بیان فرمائے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی مشاہدہ اور دیکھنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات بیان فرمائے، اعلان نبوت کے بعد کے حالات بھی بیان کئے اور فضائل بھی بیان فرمائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ فضائل بھی بیان فرمائے کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پیش آنے والے ہیں عالم برزخ کے اندر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ فضائل بھی بیان فرمائے جو قیامت کے میدان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کئے جائیں گے اور وہ فضائل بھی بیان کئے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت کے داخلہ کے وقت اور جنت میں داخلہ کے بعد عطا ہوں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء علیہم السلام سے زیادہ

فضیلتیں عطا کی گئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے حالات اور فضائل ہیں جن کے بیان کے لئے عمر نوح چاہئے مگر آپ کے فضائل اس سے بھی زیادہ ہیں جن میں چند فضائل یہ ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند فضائل

اول المخلوقات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فضیلت کو ظاہر فرمایا اور ارشاد فرمایا حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا: ان الله خلق نور نبيك قبل الاشياء كلها او كمال قال عليه الصلوة والسلام کہ ساری چیزوں سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کے نور کو پیدا فرمایا، مطلب اس کا یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام کی ارواح مبارکہ کو پیدا کیا تو ان میں سے سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ کو پیدا کیا تو وہاں جو پیدائش ہوئی اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اولیت کا شرف حاصل ہوا، تو سب سے پہلے آپ کو پیدا کرنا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ہے اور اس فضیلت میں کوئی دوسرا شریک نہیں یہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص ہے۔

اقرار ربوبیت

اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے ارواح سے عہد لیا اپنے رب ہونے کا جسے ”عہد الست“ کہتے ہیں تو اس میں سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ربوبیت کا اقرار اور اعلان فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر تمام ارواح نے ربوبیت کا اقرار کیا، سب روحوں نے بلی کہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ نے سب سے پہلے بلی کہا، تو ارواح میں بلی سب سے پہلے کہنے کی فضیلت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی۔

عطائے نبوت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

كنت نبيا و آدم بين الروح والجسد اكما قال عليه الصلوة والسلام۔
کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ ابھی آدم روح اور جسد کے درمیان میں تھے یعنی ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے اور پتلے میں ابھی روح نہیں ڈالی گئی تھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت والی فضیلت ایسی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم ارواح میں بھی عطا کی گئی تھی، تو سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کا پیدا ہونا ہے، سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بلی کہنا، سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کا عطا کیا جانا یہ سب فضائل آپ کے لئے عالم ارواح میں تھے اس کے علاوہ اور بھی بہت سے فضائل عالم ارواح میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھے نمونہ کے طور پر چند ذکر کئے۔

عجائبات قدرت کا ظہور

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کے اندر اللہ تعالیٰ نے عجائبات قدرت کو دکھلایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیا میں تشریف لائے اور آپ کی پیدائش ہوئی تو اس میں بڑے بڑے فضائل اور عجائبات دکھلائے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے سے بڑے بڑے بت کدے اور بڑے بڑے آتش کدے سرد ہو گئے اور بہت بڑے بڑے ایسے کام جو مدتوں سے ہو رہے تھے وہ ختم ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل میں ایسی چیزیں دکھائی گئیں تاکہ ظاہر ہو جائے کہ آپ اس دنیا کے اندر ہدایت کا نور لے کر آئے ہیں اور ہدایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی دروازے سے ملے گی، جو کئی ہزار سال سے آتش کدے جل رہے تھے، لوگ بتوں کی پوجا کر رہے تھے، اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کی عبادت میں مصروف تھے، ان سب کو چھڑانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے وقت ہی ان پر آپ کی

پیدائش کے اثرات ہوئے، اس وقت کے واقعات کو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”نشر الطیب“ میں بہت تفصیل سے لکھا ہے۔

اس کتاب کے پڑھنے اور سننے سے ان حالات سے واقفیت حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”سیرۃ المصطفیٰ“ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے اور بھی بہت سے علماء کی سیرت پر کتابیں ہیں جن کا پڑھنا سننا باعث اجر و ثواب ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ابتدائے ارواح کی پیدائش سے لے کر آخر تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل چلے گئے ہیں۔

کلام الہی کی وحی

یہاں تک کہ ابتدائے نبوت میں جو وحی آئی تو اس وحی کے اندر اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ کے جتنے کلام پہلے نازل ہوئے تھے تو رات، زبور، انجیل مصاحف ابراہیم وغیرہ ان سارے کلاموں سے اشرف اور افضل کلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل میں یہ بھی ایک بات ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا افضل کلام عطا فرمایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باعث فضیلت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ افضل النبیین اور افضل الرسل تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کلام بھی افضل الکلام عطا فرمایا جو سارے کلاموں سے افضل کلام ہے۔

اشرف المخلوقات

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے اندر سب سے زیادہ شرافت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی گئی۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم معراج کے واقعہ میں براق پر سوار ہونے لگے تو براق نے کچھ شوخی کی تو جبریل امین نے کہا تم شوخی کرتے ہو تم پر سب سے زیادہ فضیلت والی ہستی سوار ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں ایسا کوئی مکرم

نہیں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا: انا اکرم الاولین والاخرین ولا فخر کہ میں تمام اولاد آدم اولین و آخرین پہلے اور پچھلے سب سے زیادہ عزت والا اور اکرم ہوں یہ کرامت اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی، اوریوں ہی عالم برزخ میں اس کا ظہور ہوگا اور آخرت کے اندر بھی۔

لوائے حمد

حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے میدان کے اندر میرے ہاتھ میں جھنڈا ہوگا جس کا نام لوائے حمد ہے اور حمد کی معنی تعریف کے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نام احمد بھی آیا ہے محمد دنیا کے اندر مشہور ہوا اور احمد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمانی نام ہے۔

دعائے آدم علیہ السلام

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی اس بھول کے بارہ میں جو ان سے ہو گئی تھی اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی اے اللہ مجھے معاف کر دیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے معاف کر دیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے سوال کیا کہ تم کو (اے آدم) کیسے معلوم ہوا کہ محمد کوئی شخصیت ہیں جو کہ ہونے والی ہوں گی، حضرت آدم نے عرض کیا کہ جب آپ نے میرے بدن میں روح پھونکی تو اس کے اندر روح پیدا ہو کر حیات ہوئی تو میں نے دیکھا کہ آپ کے نام کے ساتھ عرش کے پائے پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا، جب میں نے یہ دیکھا تو میں نے اس سے سمجھا کہ یہ کوئی بڑی ہستی اور عظیم شخصیت ہے کہ جس کا نام مبارک اللہ نے اپنے نام کے ساتھ عرش کے پائے پر لکھا ہے۔ اس لئے میں نے ان کے واسطے اور وسیلہ سے اپنے لئے جو مجھ سے بھول ہو گئی ہے اس کی معافی کی درخواست کی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تمنا

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ کو اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ اے موسیٰ! تم بنی اسرائیل سے یہ کہہ دو کہ جب تک محمد کو نہیں مانو گے اس وقت تک تم نجات نہیں پاسکو گے، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے اللہ وہ کون ہیں محمد کہ جن کے انکار پر دوزخ ہے؟ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وہ ایک نبی ہیں جو سب سے آخر دنیا میں آئیں گے اور جب تک ان پر ایمان نہ لایا جائے گا نجات نہ ہوگی، حضرت موسیٰ نے کہا اے اللہ پھر مجھے وہ امت دے دیجئے جس کو یہ شرف آپ دے رہے ہیں کہ اتنا بڑا نبی آپ ان کو دے رہے ہیں، کیونکہ مجھے بھی تو آپ نے صاحب کتاب نبی بنایا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں وہ امت اخیر میں ہوگی، حضرت موسیٰ نے پھر عرض کیا اچھا مجھے اس امت میں داخل کر دیجئے جس کے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحب کتاب نبی ہیں تو رات ان پر نازل ہوئی بہت بڑے نبی ہیں لیکن اس کے باوجود وہ اس کی تمنا کرنے لگے کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں بنادیا جائے، تو آج ہم امتیوں کو اللہ تعالیٰ نے کیا شرف عطا فرمایا کہ جس نبی کے امتی ہونے کی حضرت موسیٰ تمنا کر رہے تھے اللہ تعالیٰ نے بغیر مانگے ہم کو وہ نبی عطا فرمادیا، کیا ہمارا تقاضا تھا یا کوئی ہم نے مانگا تھا، کیا ہمیں مانگنے کی اہلیت تھی؟ حضرت موسیٰ کو تو مانگ کر بھی وہ شرف نہ ملا جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بغیر مانگے عطا فرمایا، کتنی خوش قسمتی ہے اس امت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نبی ان کا پیش رو ہے۔

نمانند بعضیاں کسے درگرو

کہ دارد چنین سید پیش رو

ایسا سردار اور ایسا پیش رو کسی کو مل جائے تو اسے کیا پرواہ ہے ان شاء اللہ قیامت میں بھی کام آئیں گے برزخ میں بھی کام آئیں گے سب جگہ وہی کام آئیں گے اور وہ

دارین کا وسیلہ اور ذریعہ ہیں حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں نہ بھیجتے تو اس دنیا کا کارخانہ نہ بناتے۔
وجہ خلق کائنات

حدیث کے الفاظ یہ ہیں: لولاك لما خلقت الافلاك اگرچہ الفاظ کے اعتبار سے یہ حدیث ضعیف ہے مگر معنی میں درست ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے بڑے بڑے فضائل عطا فرمائے قیامت کے دن بھی آپ کو لوائے حمد دیا جائے گا، آپ کا ارشاد ہے کہ: آدم ومن دونہ تحت لواء ی کہ آدم سے لے کر اور اس کے بعد جتنے بھی نبی دنیا میں آئے عیسیٰ روح اللہ تک سارے کے سارے قیامت کے دن میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے، احمد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک میں سے ہے اسی لئے لوائے حمد قیامت کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا جائے گا۔
شفاعت کبریٰ

حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت کے دن جب لوگ بہت زیادہ تنگ ہو جائیں گے اور سختی بہت زیادہ ہو جائے گی تکلیف بہت زیادہ ہوگی سب لوگ کھڑے ہوں گے اور بڑے پریشان ہوں گے، اپنے اپنے گناہوں کے مطابق پسینہ آیا ہوا ہوگا۔
ایک حدیث میں اس کی بڑی تفصیل آئی ہے کہ بعضوں کو گناہوں کی وجہ سے اتنا پسینہ آئے گا کہ ان کے پاؤں پسینہ میں ڈوب جائیں گے اور بعضوں کو اتنا آئے گا کہ گردن تک پسینہ میں ڈوب جائیں گے، گناہوں کے مطابق پسینہ ہوگا جتنے زیادہ گناہ ہوں گے اتنا ہی زیادہ پسینہ ہوگا، تو اس تکلیف اور وحشت میں قیامت کے اندر لوگوں کا ایک وفد بنے گا جو تمام انبیاء کے پاس جائے گا حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام ان سب انبیاء کی خدمت میں حاضر ہوگا اور عرض کرے گا کہ اللہ تعالیٰ سے شفاعت کرو کہ حساب و کتاب شروع ہو جائے، یہ پہلی شفاعت ہے اسے

شفاعت کبریٰ کہتے ہیں، یہ شفاعت صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کریں گے اس کے بعد دوسرے انبیاء علیہم السلام بھی شفاعتیں کریں گے، انبیاء علیہم السلام کے علاوہ اولیاء اللہ، علما اور شہداء بھی شفاعت کریں گے۔

ابن ماجہ کی حدیث میں آتا ہے کہ انبیاء، علماء اور شہداء ان تینوں کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ گنہگاروں کی شفاعت کریں گے، پہلے انبیاء پھر علماء اس کے بعد شہداء ترتیب بتلا رہی ہے کہ علماء کو انبیاء کے بعد کا درجہ دیا گیا اور علماء کے بعد شہداء کو درجہ دیا گیا ہے حالانکہ شہداء نے اللہ کے راستے میں اپنی جان کٹوا دی ہے اور مولوی تو صرف لکھے پڑھے ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود معلوم ہوا کہ علم کی فضیلت ایسی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد شہداء سے پہلے علماء کا ذکر فرمایا اور قیامت کے اندر انبیاء کے بعد شہداء سے پہلے علماء کو شفاعت کرنے کی اجازت دی جائے گی۔

تو میدان قیامت میں جب وہ وفد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے گا اور شفاعت کے لئے عرض کرے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے انا لہا، انا لہا کہ میرے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ شفاعت کبریٰ مقرر فرمائی ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ فضیلت خاص وہاں میدان قیامت میں ظاہر ہوگی جہاں سارے انبیاء علیہم السلام اس شفاعت کبریٰ سے جواب دے جائیں گے اور کوئی نبی بھی ہمت اور حوصلہ نہیں کرے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں شفاعت کبریٰ یعنی سب سے پہلی شفاعت کرے، لیکن نبی کریم محمد رسول اللہ سب سے پہلی شفاعت کریں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں سر بسجود ہو جاؤں گا۔

فضیلت سجدہ

دیکھئے کتنے بڑے نبی ہیں کتنے لاڈلے بھی ہیں کتنے پیارے بھی ہیں لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے دربار میں عاجزی ہوگی سر سجدے میں ہوگا وہاں بڑائی اور فخر نہ ہوگا

بلکہ سجدہ ہوگا، سب سے زیادہ عاجزی کی چیز اپنی پیشانی کو نیچے کرنا ہے، تو نماز ہمیں عاجزی سکھانے کے لئے ہے کہ ہمارا دل فخر اور بڑائی میں ہوتا ہے تو نماز میں پیشانی اور ناک کو زمین پر رکھا جاتا ہے تاکہ عجز پیدا ہو، انکساری اور تواضع پیدا ہو، سب سے زیادہ عاجزی انسان کو سجدے میں ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اقرب ما یکون العبد فی الصلوۃ وهو ساجدا او کما قال علیہ الصلوۃ والسلام۔ ہاتھ باندھے اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہے یہ بھی ایک عاجزی ہے، رکوع میں جا رہا ہے اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہو رہی ہے، التحیات میں دوزانوں ہو کر بیٹھا ہے یہ بھی عاجزی ہے لیکن ان سب افعال میں زیادہ عاجزی سجدے میں ہوتی ہے، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب نمازی سجدے میں جاتا ہے تو اتنا قرب اللہ تعالیٰ کا نصیب ہوتا ہے اتنا کسی اور عمل میں نہیں ہوتا، کیونکہ جتنا مٹ گیا اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے قریب ہو گیا، جب یہ بندہ سب سے نیچا ہو کر دکھاتا ہے اور اپنے آپ کو خاک میں ملاتا ہے تو اتنا ہی یہ خدا کے قریب ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ آدمی جب عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دربار میں سجدہ کرتا ہے تو گویا اپنا سر اللہ تعالیٰ کے قدموں پر ٹیکتا ہے۔
حمد باری تعالیٰ

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن میں وہاں سجدہ کروں گا اور اس سجدہ کے اندر اللہ تعالیٰ کی ایسی تعریف اور حمد بیان کروں گا لا تحضرنی الآن اس وقت مجھے معلوم نہیں، اسی وقت وہ تعریف کے کلمات الہام کے طور پر مجھے بتائے جائیں گے اور میرے دل میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کا مضمون ڈالا جائے گا، تو اللہ تعالیٰ شفاعت کی اجازت بھی دے رہے ہیں اور شفاعت سے پہلے مضمون بھی اپنی تعریف کا خود سکھلا رہے

ہیں، دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ نے نبی کو علم عطا فرمایا، قرآن عطا فرمایا، اس کے علاوہ بھی علوم دیئے۔

علم نبوی میں مسلسل ترقی

لیکن وہ علم بڑھتا چلا گیا رب زدنی علما علم کی زیادتی کے لئے دعا بھی سکھلائی اور یہ دعا قبول بھی کی کہ آخرت میں میدان حشر میں بھی علم سکھائیں گے، قیامت کے میدان میں بھی علم کی بارشیں بڑھتی چلی جائیں گی، لوگ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا علم دے دیا گیا حالانکہ یہ صحیح نہیں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت میں مجھے ایسا علم دیا جائے گا جو اب مجھے معلوم نہیں، دنیا میں بھی علم بڑھتا چلا گیا اور آخرت میں بھی ترقی ہوتی چلی جائے گی، تو جب وہاں میدان حشر میں سجدے کے اندر بھی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ حمد اور تعریف کے ایسے کلمات سکھلائیں گے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہیں بتائے، تو ان کلمات کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے محمد! اپنا سراٹھاؤ، اور جب تک سراٹھانے کی اجازت نہیں ہوگی سر نہیں اٹھائیں گے، جب تک شفاعت کی اجازت نہ ہوگی اس وقت تک شفاعت نہیں کریں گے، حالانکہ محبوب ہیں، اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ محبت ہے اللہ تعالیٰ کو آپ سے محبت ہے مگر اس کے باوجود کوئی کام اذن اور اجازت کے بغیر نہیں ہوگا، تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے محمد! سراٹھاؤ اور رفع راسک و سل تعط و اشفع تشفع کہ اپنا سراٹھائیے اور مانگو جو مانگنا ہے آپ جو مانگیں گے دیا جائے گا اور شفاعت کرو جس کی شفاعت کرو گے قبول کی جائے گی۔ سبحان اللہ! کیا کمال ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا، اب جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دے دی جائے گی کہ جس کی شفاعت کرو گے قبول کی جائے گی تو پھر کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفاعت میں کچھ کمی کرنی ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کرنے والے ہوں گے اللہ تعالیٰ قبول کرنے والے ہوں گے، یہ مانگنے والے ہیں وہ دینے والے ہیں، شفاعت کے معنی

ہیں کہ دوسرے کو کہا جائے کہ میرے کہنے سے یہ کام کر دو، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کی اجازت دے دی گئی اور وہ شفاعت قبول ہوگی رز نہیں ہوگی۔

مقام محمود

تو وہاں میدان حشر میں جو آپ کی شان فضیلت ظاہر ہوگی اسی کو فرمایا: عسی ان یبعثک ربک مقاماً محموداً کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود عطا فرمائیں گے اور فرمایا کہ ولسوف یعطیک ربک فترضی کہ آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے، اس آیت میں یعطیک باب عطا سے ہے جو کہ دو مفعول کا تقاضا کرتا ہے اور یہاں پر ایک مفعول بیان کیا گیا ہے دوسرا مفعول ذکر نہیں کیا کہ دیں گے، کیا چیز اس کا ذکر نہیں کیا، تو ذکر نہ آنے سے عموم مراد ہوا کرتا ہے۔ یعنی اگر یوں کہا جائے کہ فلاں چیز دیں گے تو وہی چیز متعین ہو جاتی ہے کہ صرف وہی دیں گے اور کوئی چیز نہیں لیکن جب یہ کہا جائے کہ تمہارا رب تمہیں دے گا تو مطلب یہ ہے کہ ہر چیز دے گا، بات تمام ہو گئی مفعول کے ذکر نہ کرنے کی وجہ سے یہ نکتہ پیدا ہو گیا، اور یہ بھی فرمایا کہ اے محمد! تم پھر اس پر راضی ہو جاؤ گے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ راضی کر دے گا، تو عطا اتنی ہوگی کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت سن کر فرمایا کہ میں تو ایسا مانگوں گا ایسا مانگوں گا کہ کسی ایک گنہگار کو بھی جہنم میں نہ جانے دوں گا میں اس کے بغیر راضی بھی نہ ہوں گا، سبحان اللہ! ہم جیسے گنہگاروں کے لئے کیسا یہ اللہ کی طرف سے نبی پر نبی کی رحمت کا ظہور ہے اور واقعی بات بھی ٹھیک ہے اور حقیقت کے مطابق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بغیر کیسے راضی ہو سکتے ہیں۔

عبادت نبی کی کیفیت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کا حال سنائیں کہ رات نفلیں پڑھ رہے ہیں کھڑے کھڑے قرآن کریم پڑھ رہے ہیں کہ پاؤں مبارک پر ورم آ جاتا تھا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت پڑھ رہے تھے: ان تعذبہم فانہم عبادک وان تغفرلہم فانک انت العزیز الحکیم یہ دعا اللہ تعالیٰ کے سامنے کر رہے ہیں اور ساری رات یہ ایک آیت ہی پڑھتے رہے اور آپ نے اسی آیت میں صبح کر دی، تو اندازہ لگاؤ کہ آیت کا کیا مضمون تھا؟ آیت کا مضمون یہ تھا کہ اگر آپ ان پر عذاب دینا چاہیں تو یہ آپ کے بندے ہیں آپ مالک ہیں مالک اپنی ملک میں جو تصرف کرنا چاہے کر سکتا ہے، لیکن اگر آپ ان کو بخش دیں تو آپ کو روکنے والا کوئی نہیں کیونکہ آپ حکیم اور غالب ہیں آپ کو کون روک سکتا ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ساری رات امت کے لئے مغفرت کی دعا مانگتے رہے، تو جب قیامت میں آپ کو شفاعت کی اجازت دی جائے گی تو وہاں آپ کسی کو چھوڑ دیں گے؟۔

مومن کی جہنم سے خلاصی

ایک حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے دل میں ایک رائی کے برابر بھی ایمان ہوگا ہم اس کو بھی جہنم سے نکال لائیں گے، آگے فرمایا کہ جب تمام انبیاء اولیاء علماء اور شہداء سب کے سب شفاعت کر چکیں گے تو آخر میں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ سب نے شفاعتیں کر لیں اب ایک ارحم الراحمین رہ گیا تو اللہ اپنے دونوں دست مبارک بھر کر لوگوں کو دوزخ سے باہر لاویں گے، یعنی جن کے دل میں رائی سے بھی کم درجہ کا ایمان ہوگا ان کو اللہ تعالیٰ اپنے دست قدرت سے جہنم سے نکال لاویں گے، اللہ تعالیٰ کے لئے ہاتھ پیر کا ذکر قرآن مجید میں جہاں کہیں آیا ہے تو اس سے یوں سمجھیں کہ وہ اس کی اپنی شان کے مطابق ہے ہمیں سمجھانے کے لئے یہ لفظ فرمادیئے گئے، تو اللہ تعالیٰ ان کو دوزخ سے نکالیں گے کہ جن کو انبیاء کی شفاعت نصیب نہ ہوگی، رائی کے برابر بھی جس کے دل میں ایمان تھا اس کو تو نبیوں نے دوزخ سے نکال لیا، تو اب ایسے کون سے رہ گئے تھے کہ جن کو اللہ تعالیٰ خود اپنے علم اور اپنی قدرت کے ماتحت جہنم سے نکالیں گے، دراصل بات یہ

ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کی وسعت اور قدرت کو شفاعت کے مسئلہ میں بھی ظاہر کیا ہے کہ جہاں دل کی نورانیت نبیوں کو بھی محسوس نہ ہوئی کہ رائی سے کم درجہ کا ایمان کہ انبیاء کی بصیرت بھی اس نور ایمانی کو نہ پہچان سکی وہاں اللہ تعالیٰ کے علم میں چونکہ ان کے دل میں ایمان تھا اسی ایمان کی وجہ سے وہ نجات پا گئے اور ضعفِ ایمان نجات کا ذریعہ بن گیا، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بصیرت بہت اونچی ہوتی ہے مگر اللہ تبارک و تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام میں بہر حال فرق ہے۔

ایک شبہ کا جواب

میں نے بیان شروع کیا تھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام میں فضائل رکھے ہیں اور ان میں ترتیب رکھی ہے اور سب سے افضل نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یہاں پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ بعض حدیثوں میں تو آتا ہے کہ نبیوں کو آپس میں فضیلت نہ دو، اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ اپنی رائے سے فضیلت نہ دو لیکن جو فضیلت قرآن یا حدیث میں آگئی ہے وہ اس سے علیحدہ ہے اور ہمارا اجماعی عقیدہ ہے قرآن و سنت کے مطابق کہ نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سارے نبیوں میں افضل ہیں، صرف یہ کافی نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فضیلت حاصل ہے بلکہ یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سارے نبیوں میں افضل ہیں صرف فضیلت کا نہیں بلکہ افضل ہونے کا عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔

حوض کوثر

قیامت کے میدان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حوض کوثر بھی دیا جائے گا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت میں ہر نبی کے لئے حوض کوثر ہوگا لیکن میرے حوض پر سب سے زیادہ مسلمان آئیں گے تو سب سے بڑا حوض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوگا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں جنت

میں دروازہ کھلوانے کے لئے جاؤں گا تو سب سے پہلے میں جاؤں گا تو داروغہ جنت پوچھے گا کون ہیں؟ میں کہوں گا میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں، تو وہ کہے گا خدا نے مجھے یہی حکم دیا ہے کہ نبی محمد سے پہلے کسی اور کے لئے دروازہ نہیں کھولنا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب میں جنت میں جاؤں گا تو میرے ساتھ ابوبکر اور عمر بھی ہوں گے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت اور اتباع سے شیخین کو فضیلت ملی ہے۔ تو انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے بڑا مرتبہ ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: مجھے وہاں جنت میں کوثر نہر دی جائے گی، قرآن کریم میں بھی اس کا ذکر ہے: اِنَّا عَطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ۔ کوثر ایک نہر ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی جائے گی جس کی گہرائی ستر ہزار فرسخ ہوگی، ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے تو اب آپ اندازہ لگائیں کہ اس کی لمبائی اور چوڑائی کتنی ہوگی۔ اور فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس نہر کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا، دودھ سے زیادہ سفید ہوگا اور یہ شہد اور دودھ کا نام لے کر صرف ہمیں سمجھایا گیا ہے، اس کی حقیقت بہت اونچے درجہ کی ہے۔

آداب نبی صلی اللہ علیہ وسلم

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ کمالات عطا فرمائے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ معجزات عطا فرمائے گئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات بہت زیادہ ہیں، ان سب کو کون بیان کر سکتا ہے؟ اس مختصر مجلس کا مقصد بس یہی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تھوڑے بہت فضائل کا ذکر ہو جائے اور وہ الحمد للہ کچھ ہو گیا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جب دیگر انبیاء علیہم السلام کو خطاب کیا تو نام لے کر پکارا جیسا کہ فرمایا: یٰآدم اسکن۔ یٰنوح اهبط بسلام منا۔ یٰہود۔ یٰصالح وغیرہ۔ لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خطاب کیا تو آپ کو یٰہا الرسول، یٰہا النبی

القاب سے خطاب کیا۔ تو یہ ہمارے لئے تعلیم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر نہ پکارا جائے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور نبوت کی صفت کو بیان کر کے پکارا جائے۔
ایک علمی نکتہ

اس میں ایک بات طالب علموں کے لئے بھی ہے کہ: یٰٰیہا الرسول میں یا حرف ندا ہے اور الرسول منادی ہے اور نحو یوں نے قاعدہ لکھا ہے کہ جب منادی معرف باللام ہو تو یعنی منادی پر الف لام آجائے جیسا کہ یٰٰیہا الرسول میں الرسول معرف باللام ہے تو اس وقت یا حرف ندا اور منادی معرف باللام کے درمیان ہا لاتے ہیں جیسا کہ یٰٰیہا الرسول میں ہا لائے۔ تو اس ہا کا فائدہ کیا ہے؟ اور یہ ہاتچ میں کیسے آئی ہے؟ تو دیکھو اگر وہ جس سے خطاب کیا جا رہا ہے یعنی منادی غافل ہے تو اس کو ہالا کر تنبیہ کی جاتی ہے، اس کو غفلت سے ہوشیار کیا جاتا ہے۔ تو یہ ہائے تنبیہ کہلاتی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے یٰٰیہا الناس اعبدوا ربکم کہ اے انسانو! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، غفلت میں پڑے ہوئے تھے، شرک میں مبتلا تھے تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف متوجہ کیا گیا اور ہائے تنبیہ لا کر ان کو غفلت سے ہوشیار کیا گیا۔

اور جب کوئی منادی معرف باللام صفت کا صیغہ ہو جیسے الرسول، النبی صفت کا صیغہ ہے اور یہ اسم صفت ہے تو اس وقت دیکھنا چاہئے کہ یہ صفت کونسی ہے؟ صفت تعریف کی ہے یا ہجو کی ہے؟ اگر صفت ہجو کی ہو تو اس وقت ہا سے زجر و توبیخ ہوتی ہے، اس کی برائی کو بیان کرنا ہوتا ہے جیسا کہ یٰٰیہا الکافرون وغیرہ۔ اور اگر صفت تعریف کی ہو جیسے النبی، الرسول میں کہ وصف نبوت اور رسالت تعریف کا ہے تو اس وقت ہا سے جلالت شان اور تعظیم بیان کرنی ہوتی ہے۔

تو یٰٰیہا النبی کے معنی ہیں اے محبوب نبی! اے جلیل القدر نبی! اور یٰٰیہا الرسول کے معنی ہیں اے عظمتوں والے رسول! تو عظمت اور جلالت ہانے بتلائی ہے تو قرآن

پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو عظمت اور جلالت کے ساتھ بیان کیا ہے اور خطاب جب کیا عظمت و جلالت کے ساتھ کیا۔

یا محمد کہنا

جب اللہ تعالیٰ اپنے نبی کا ذکر تعظیم اور جلالت کے ساتھ کر رہے ہیں تو ہمیں بھی تعظیمی القاب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنا چاہئے۔ یا ایہا الرسول، یا ایہا النبی کہنا چاہئے۔ سیدھا یا محمد کہنا یہ تعریف کی بات نہیں اس میں عظمت ظاہر نہیں ہو رہی، اگر کوئی شخص اپنے باپ کا نام لے، استاذ کا نام لے تو اچھا نہیں سمجھا جاتا بلکہ بے ادبی سمجھی جاتی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تین ادب

قرآن کریم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اور بھی بہت سے آداب بتلائے ہیں۔

ارشادِ بانی ہے: لا تقدموا بين يدي الرسول - لا ترفعوا اصواتكم فوق

صوت النبی - ان الذين ينادونك من وراء الحجرات اكثرهم لا يعقلون -

سورہ حجرات کے اندر یہ تین ادب بتلائے گئے کہ:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اقدام نہ کرو کہ اگر کہیں چل رہے ہیں یا جا رہے ہیں تو بغیر اجازت کے آگے نہ چلو، اگر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود آگے بھیج دیں تو اور بات ہے لیکن خود آگے نہ چلو۔

اور بات کرنے میں پہل نہ کرو کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے ہیں تو کسی کام میں بھی پہل نہ کرو، خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی شروع کریں گے۔ اور یہ کہ اپنی آواز کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اونچا نہ کرو کہ اس سے بھی بعض دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوگی۔

آگے فرمایا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرے میں ہوں تو تم باہر سے آواز نہ دو بلکہ صبر کرو یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود باہر تشریف لائیں تو تم عرض معروض

کرو۔ حتیٰ تخرج الیہم فرمایا کہ بات اس وقت کریں جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لیے آئے ہوں۔ حرف الی بتلا رہا ہے کہ اگر کسی اپنے کام کے لیے باہر نکلے ہوں تو اس وقت بات نہ کریں بلکہ جب صرف آپ کے لیے نکلے ہوں اس وقت بات کریں۔ یہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب ہیں۔ اور جس طرح یہ آداب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہیں اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ورثاء، علماء، صلحاء اور اولیاء اللہ کے لیے بھی ہیں۔

اب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور ان کی اطاعت و محبت عطا فرمائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ذکر کی برکت سے جو ہم کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا فرمادے، اور محبت کی نشانی یہ ہے کہ جذبہ اطاعت پیدا ہو جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں سے محبت پیدا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ اجمعین برحمتک

یا ارحم الراحمین۔

مرسلہ: سید عبدالواسع ترمذی

عید میلاد کی شرعی حیثیت

تلخیص رسالہ ”ارشاد العباد فی عید المیلاد“

مؤلف: فقہ (العصر مفتی) سید عبید (الکونین منزی نور اللہ مرقہ

پیش از ہمہ شاہان غیور آمدہ ہر چند کہ آخر بظہور آمدہ
اے ختم رسل قرب تو معلوم شد دیر آمدہ از راہ دور آمدہ

حمد و صلاۃ کے بعد گزارش ہے کہ آج کل بعض کم سمجھ مدعیان محبت نے حضور اکرم ﷺ کے ذکر مبارک کو بھی آپ کی ولادت کے زمانہ کے ساتھ خاص کر دیا ہے اور وہ بطور رسم کے ماہ ربیع الاول میں آنحضرت ﷺ کا ولادت کا یوم منانے لگے ہیں۔ حالانکہ حضور اکرم ﷺ کا ذکر مبارک ایسی بابرکت چیز ہے کہ اس کو ہر وقت مسلمانوں کے رگ و پے میں سرایت کر جانا چاہئے تھا اور کوئی وقت آپ ﷺ کے تذکرہ سے خالی نہیں ہونا چاہئے تھا۔

حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے: کہ ہم تو ہر وقت ذکر میلاد کرتے ہیں کیونکہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے رہتے ہیں، اگر حضور ﷺ پیدا نہ ہوتے تو ہم یہ کیوں پڑھتے؟ تو کلمہ طیبہ پڑھنا بھی آپ ﷺ کی ولادت کا ذکر کرنا ہے۔ غرضیکہ حضور اکرم ﷺ کا ذکر مبارک تو ہر وقت ہی ہونا چاہئے کیونکہ محبت کو محبوب کی ہر اداسپند ہوتی ہے۔

ذکر کا نیا طریقہ

آج کل بعض مدعیان محبت نے حضور ﷺ کے ذکر کا ایک نیا طریقہ نکالا ہے کہ ربیع الاول کی بارہویں تاریخ کو یوم میلاد مناتے ہیں اور انہوں نے اس کا نام عید میلاد النبی رکھا ہے۔

اس نئے طریقے کے ایجاد کرنے والے چونکہ اکثر انگریزی خواں اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے وہ اپنی ایجاد کا اس سے زیادہ کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکتے کہ اس میں قومی شوکت کے اظہار کی مصلحت ہے اور دنیوی باوجاہت شخصیتوں کے اعزاز میں جلوس نکالنے اور خوشی منانے کو اس کے جواز اور مثال میں پیش کرنے کے سوا وہ اور کوئی شرعی دلیل اس پر پیش نہیں کر سکتے، حالانکہ آنحضرت ﷺ کی ولادت شریفہ اور آپ ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری پر دنیوی طریقہ سے اظہار مسرت اور خوشی منانا آپ ﷺ کی شان کو دنیوی بادشاہوں اور لیڈروں کے ساتھ ملانا اور آپ ﷺ کے مرتبہ علیا سے آپ ﷺ کو نیچے لے جانا ہے۔ اس میں بارگاہ رسالت کے ساتھ کس قدر گستاخی اور بے ادبی پائی جاتی ہے وہ اہل دانش پر پوشیدہ نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ کی ولادت باسعادت موجب فرحت ہے

اس لئے کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت مبارکہ پر فرح اور سرور کا شریعت نے حکم دیا ہے اور جو چیزیں شرعی طور پر مامور بہ ہوتی ہیں ان کا ادا کرنا دین میں اصل ہوتا ہے، لہذا آپ ﷺ کی ولادت مبارکہ پر خوشی اور مسرت دین میں داخل ہے تو اس پر خوشی اور مسرت کے ظاہر کرنے کا جو طریقہ شریعت نے بتلایا ہو اس کے موافق اس کا اظہار کرنا چاہئے۔

قرآن کریم سے آنحضرت ﷺ کی ولادت مبارکہ پر فرحت و سرور کا ثبوت

قرآن کریم میں ہے: قل بفضل اللہ وبرحمته فبذلك فليفرحوا هو

خير مما يجمعون (یونس پ ۱۱)

ترجمہ: (اے محمد) آپ فرمادیجئے کہ اللہ کے فضل اور رحمت ہی کے ساتھ بس صرف چاہئے کہ خوش ہوں (اس لئے) کہ وہ بہتر ہے اس شے سے کہ جس کو یہ لوگ جمع کرتے ہیں۔

حاصل آیت مبارکہ کا یہ ہے کہ ہم کو حق تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں کہ حضور ﷺ کے

وجود باجود پر خوش ہونا چاہئے اس لئے کہ حضور ﷺ ہمارے لئے تمام نعمتوں کے واسطہ ہیں خواہ وہ دنیوی نعمتیں ہوں یا دینی جن میں سب سے بڑی دولت ایمان ہے، جس کا حضور ﷺ کی بدولت ہم کو پہنچنا تو بالکل ظاہر ہے، غرضیکہ اصل الاصول تمام مواد فضل و رحمت کی حضور ﷺ کی ذات بابرکات ہوئی، اس لئے اس ذات بابرکات کے وجود پر جس قدر بھی خوشی اور فرح ہو کم ہے۔

حضور ﷺ کے وجود باجود پر فرحت کس بنا پر ہے؟

قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

لقد امن الله على المومنين اذ بعث فيهم رسولا من انفسهم يتلوا عليهم اياته ويزكيهم ويعلمهم الكتب والحكمة وان كانوا من قبل لفي ضلال مبين۔ یعنی حق تعالیٰ نے ایمان والوں پر احسان فرمایا کہ ان میں سے ایک رسول ان کی جنس سے بھیجا کہ وہ ان پر ان کی آیتیں تلاوت کرتے ہیں اور ان کو (ظاہری و باطنی) نجاستوں (گندگیوں) سے پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب و حکمت سکھاتے ہیں اور بے شک وہ اس سے پہلے ایک کھلی گمراہی میں تھے۔

اس آیت مبارکہ میں يتلوا عليهم اياته ويزكيهم الخ سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اصل شے خوشی کی اور مابہ الفرح والممتنہ یہ ہے کہ حضور ﷺ ہمارے لئے سرمایہ ہدایت ہیں، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضور ﷺ کے متعلق خوش ہونے کی بہت سی چیزیں ہیں مثلاً حضور ﷺ کی ولادت حضور ﷺ کی بعثت اور حضور ﷺ کے دیگر تمام حالات مثلاً معراج شریف وغیرہ، یہ سب حالات واقعی خوش ہونے کے ہیں لیکن اس حیثیت سے کہ ہمارے لئے یہ مقدمات ہیں ہدایت و سعادت ابدی کے چنانچہ اس آیت سے صاف ظاہر ہے اس لئے کہ اس میں بعثت کے ساتھ صفات بھی بڑھادی گئی ہیں يتلوا عليهم اياته ويزكيهم الخ پس بقاعدہ بلاغت ثابت ہوتا ہے کہ اصل مابہ الممتنہ یہ

صفات ہیں باقی ولادت شریفہ یا معراج شریف وہ باعث خوشی زیادہ اس لئے ہیں کہ مقدمات ہیں اس دولت عظیمہ کے حصول کے اس لئے کہ اگر ولادت شریفہ نہ ہوتی تو ہم کو یہ نعمت عظیمہ کیسے ملتی؟

نبوت شریفہ پر ولادت شریفہ سے زیادہ خوش ہونا چاہئے

جس قدر ولادت شریفہ پر فرحت و سرور ہو اس سے زائد نبوت شریفہ پر ہونا چاہئے، کیونکہ قرآن مجید سے ثابت ہو رہا ہے کہ زیادہ اہتمام کے قابل اور اصل ماہ الممتہ اور فرح و سرور کا باعث نبوت و بعثت ہے اسی لئے نبوت و بعثت کا ذکر بہ نسبت ولادت شریفہ کے ذکر کے زیادہ اہتمام کے لائق ہوا اور نبوت و بعثت ہی اس قابل ہے کہ اس پر سب سے زیادہ مسرت و خوشی کا اظہار کیا جائے، شاید اس فرق کی وجہ سے ہی قرآن کریم میں جس اہتمام اور صراحت کے ساتھ نبوت و بعثت کا ذکر فرمایا گیا ہے اس اہتمام و صراحت کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی ولادت شریفہ کا ذکر نہیں فرمایا گیا بلکہ اس کا ذکر اشارۃً یا اجمالاً ہی فرمایا گیا ہے۔

اظہار خوشی کا صحیح طریقہ

یہ تو واضح ہو گیا کہ حضور ﷺ کے وجود باوجود اور ولادت مبارکہ پر فرحت اور خوشی کا ہم کو حکم دیا گیا ہے، اب یہ سمجھنا چاہئے کہ اس فرحت کے اظہار کا صحیح طریقہ کیا ہے؟۔۔۔۔۔ اس فرحت کے اظہار کا طریقہ وہی صحیح ہوگا جس طریقہ پر خود آنحضرت ﷺ نے عمل کر کے اس کو ظاہر فرمایا ہوگا۔

دیکھنا چاہئے کہ حضور ﷺ نے اس فرحت و خوشی کو کس طریقہ سے ظاہر فرمایا ہے، کیا آپ ﷺ کی سیرت مقدسہ یا آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے خلفاء راشدین کی سیرت میں کہیں اظہار مسرت کے اس طریقہ کا ذکر ملتا ہے جس کو آج کل کے بعض مدعیان محبت نے عید میلاد کے نام سے ایجاد کیا ہے اور یوم ولادت کو انہوں نے عید بنا لیا ہے؟

سوال یہ ہے کہ آپ ﷺ کے جانشین، خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو کہ حضور ﷺ کی صحبت مقدسہ کو اٹھائے ہوئے تھے اور تمام عالم سے زیادہ قرآن مجید اور آنحضرت ﷺ کے منشا مبارک کو سمجھتے تھے، آخر ان کی سمجھ میں اظہار مسرت کا یہ طریقہ کیوں نہیں آیا؟ جبکہ آنحضرت ﷺ کی محبت بھی ان حضرات کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے تھی اور اتباع کے جذبہ سے بھی ان کے قلوب معمور تھے، اسی طرح تابعین جن میں بڑے بڑے مجتہد ہوئے ہیں ان کی نظر بھی یہاں تک کیوں نہیں پہنچی؟

بدعت و سنت کے پہچاننے کا قاعدہ کلیہ

ظاہر ہے کہ ولادت نبوی ﷺ باعث خوشی اور اظہار مسرت کا سبب ہے اور اسی خوشی کے اظہار کے لئے آج کل یہ نیا طریقہ ایجاد کیا گیا ہے کہ اس دن کو عید مناتے ہیں اور جلوس وغیرہ نکالتے ہیں اور یہ سب حضور ﷺ اور صحابہ کرام کیسا منے بھی موجود تھا جب خود آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام نے آپ ﷺ کی ولادت مبارکہ کی خوشی اور مسرت کا اظہار اس طرح نہیں کیا اور یوم ولادت کو عید نہیں بنایا اور نہ ہی اس دن میں جلوس وغیرہ نکالا تو یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ شریعت میں اظہار خوشی کا یہ طریقہ درست نہیں ہے ورنہ آپ ﷺ خود اور صحابہ کرام اس طریقہ پر اظہار خوشی کر کے اس کا جواز ضرور بتلا دیتے، یہی ایک دلیل کافی ہے اس عید میلاد کے بدعت ہونے اور حدیث من احدث فی امرنا ہذا مالیس منہ فہورد (جس شخص نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جو دین نہیں ہے وہ مردود ہے) میں داخل ہو کر واجب الرد ہونے کی۔

البتہ جس چیز کا سبب جدید ہو اور وہ چیز کسی ضروری امر کے لئے موقوف علیہ ہو کہ اس کے بغیر مامور بہ پر عمل نہ ہو سکتا ہو جیسا کتب دینیہ کی تصنیف و تدوین اور مدارس دینیہ و خانقاہ کی بنا و تعمیر کہ حضور ﷺ کے زمانہ کے بعد ان کی ضرورت پیش آئی اور ان کا سبب جدید پیدا ہوا کیونکہ دین کی حفاظت سب کے ذمہ ضروری ہے، کتب دینیہ اور مدارس

و خانقاہوں کے بغیر اس کی حفاظت کی کوئی صورت نہ تھی اس لئے علماء کرام نے حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ اور عقائد کی کتابیں لکھیں اور ان کی تعلیم و تدریس کے لئے مدارس تعمیر کئے اور باطنی نسبت، سلسلہ اور تعلق مع اللہ کے باقی رکھنے اور تربیت کے لئے مشائخ عظام نے خانقاہیں بنائیں۔

بہر حال یہ چیزیں وہ ہیں جن کا سبب جدید ہے اور وہ سب خیر القرون کے زمانہ کے بعد پیدا ہوا ہے اس لئے بظاہر نظر دیکھنے میں یہ چیزیں بدعت اور نئی معلوم ہوتی ہیں لیکن واقع میں بدعت نہیں ہیں بلکہ حسب قاعدہ مقدمۃ الواجب قرار پائیں۔ یہ قاعدہ کلیہ ہے بدعت اور سنت کے پہچاننے کا اس سے تمام جزئیات مختلفہ کا حکم معلوم کیا جاسکتا ہے۔

حدیث نبوی ﷺ

حضور ﷺ فرماتے ہیں میری قبر کو عید مت بنا و اس حدیث میں غیر عید کو عید منانے کی ممانعت فرمائی گئی ہے اور مطلب یہ ہے کہ قبر شریف پر عید کی طرح تاریخ معین کر کے اہتمام کے ساتھ جمع ہونا منع ہے، اس لئے روضہ اقدس پر حاضری کے لئے کوئی خاص تاریخ متعین نہیں ہے آگے پیچھے قافلے جاتے ہیں اور زیارت کر کچلے آتے ہیں، نہ زیارت کی کوئی تاریخ متعین ہے اور نہ اہتمام عید کا سا ہے اس لئے اس سے قبر مبارک کی زیارت کی ممانعت نہیں ثابت ہوتی بلکہ زیارت کا مستحب ہونا دوسری حدیثوں سے ثابت ہے۔

اس حدیث سے عید میلاد کی نفی نہایت واضح ہے، اول بطور مقدمہ کے جاننا چاہئے کہ آنحضور ﷺ کی قبر مبارک کے لئے بہت کچھ شرف اور فضیلت حاصل ہے اس لئے کہ جسد اطہر اس کی اندر موجود ہے بلکہ حضور ﷺ خود مع تلبس روح (روح کے تعلق کے ساتھ) اس کے اندر تشریف فرما ہیں کیونکہ آپ ﷺ قبر مبارک میں زندہ ہیں قریب قریب تمام اہل حق کا اس پر اتفاق ہے جب حضور ﷺ کا جسد اطہر قبر مبارک میں روح مبارک سمیت محفوظ ہے اور علماء نے تصریح کی ہے کہ زمین مبارک کا وہ بقعہ جس سے جسم مبارک

مع روح کے مس کئے ہوئے ہے (ملا ہوا ہے) وہ عرش سے بھی افضل ہے کیونکہ عرش پر معاذ اللہ حق تعالیٰ شانہ بیٹھے ہوئے تو نہیں اس کو صرف اسی وجہ سے دوسرے مقامات پر فضیلت ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی تجلی گاہ ہے اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی مخلوق میں حضور ﷺ سے زیادہ کون تجلی گاہ الہی ہوگا اور رسول ﷺ کے واسطے سے قبر مبارک پر تمام مکانات سے زیادہ حق تعالیٰ کی تجلیات فائض ہوتی ہیں، اس حیثیت سے بھی قبر مبارک کا وہ بقعہ جس سے جسم مبارک ملا ہوا ہے عرش وغیرہ تمام جگہوں سے افضل ہے، یہ تو ایک مقدمہ ہوا کہ بقعہ شریف اور قبر شریف تمام مکانات سے افضل ہے۔

اب اس مقدمہ کے بعد یہ سمجھنا چاہئے کہ قبر شریف تو بلا اختلاف بعینہ باقی ہے اس میں کسی کو بھی شک نہیں ہو سکتا اور ولادت اسی طرح معراج وغیرہ کے دن یقیناً باقی نہیں ہیں کیونکہ زمانہ غیر قار ہے یعنی اس کو قرار نہیں ہوتا اور وہ بدلتا رہتا ہے اس لئے وہ دن جس میں حضور ﷺ کی ولادت ہوئی تھی اب وہ بعینہ نہیں لوٹتا بلکہ اس کا مثل لوٹتا ہے، دوسرا مقدمہ یہ ہوا۔ اس کے بعد سمجھو کہ جب حضور ﷺ نے قبر مبارک کو عید بنانا جو کہ بعینہ باقی ہے منع فرمادیا اور اس کا عید بنانا جائز ہو گیا تو ان دنوں کا عید بنانا جو کہ بعینہ باقی نہیں ہیں کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟ اور جب اپنی طرف سے عید مکانی (یعنی قبر کی عید منانے) کو منع فرمادیا گیا تو عید زمانی خود کسی دن کو عید منانے سے کیوں منع نہیں کیا جائے گا؟ اس تقریر سے صرحۃ عید میلاد کا ناجائز ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

عید میلاد کے جواز پر استدلال اور اس کا جواب

اول وہ آیت: قل بفضل الله وبرحمته فبذلك فليفرحوا من الآن فصاعداً
استدلال کر سکتے ہیں کہ:

”اس آیت سے فرحت کا حکم ثابت ہوا اور یہ بھی اظہار فرحت کے لئے ہے لہذا جائز ہے۔“

جواب ظاہر ہے کہ اس آیت سے فقط فرحت کا حکم ثابت ہوتا ہے اور گفتگو اس خاص متعارف طریقہ میلاد میں ہے، اس سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہوتا۔ اگر اس کلیہ میں اس کا داخل کرنا صحیح ہو تو کتب فقہ میں جن بدعات کو روکا گیا ہے وہ بھی کسی نہ کسی ایسے ہی کلیہ میں داخل ہو سکتی ہیں، تو پھر کیا ان کو بھی جائز کہا جائے گا؟ حالانکہ کتب فقہ میں جو فریقین کے نزدیک مسلم ہیں ان بدعات کی ممانعت صراحۃً مذکور ہے ہم جس بات کو منع کرتے ہیں وہ ہیئت خاصہ ہے اور جو فرحت آیت فلیفرحوا سے ثابت ہوتی ہے وہ فرحت مطلقہ ہے، پس اہل بدعت یہ سمجھتے ہیں کہ ہم فرحت کو منع کرتے ہیں حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے بلکہ اگر غور سے کام لیا جائے تو ہم اس فرحت پر زیادہ عمل کرتے ہیں، اس لئے کہ موجدین تو سال بھر میں ایک ہی مرتبہ خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور گویا ان کے نزدیک اظہار خوشی کا یہی طریقہ متعین ہے اور اس کے بغیر خوشی کا اظہار ہوتا ہی نہیں، اس لئے جو شخص ان کے مقررہ طریقہ کے موافق خوشی کا اظہار نہیں کرتا اس کو سمجھتے ہیں کہ اس نے خوشی کا اظہار کیا ہی نہیں۔ اور ہم ہر وقت اس فرحت پر عامل ہیں جس کا حکم اس آیت میں فرمایا گیا ہے، اس لئے کہ اہل حق ایمان کی خوشی سے ہر وقت دلشاد اور فرحان رہتے ہیں اور اس کا اس آیت میں امر فرمایا گیا ہے۔

دوسرا استدلال اور اس کا جواب

دوسرا استدلال موجدین کا اس حدیث سے ہو سکتا ہے کہ:

”جب ابولہب نے حضور ﷺ کی ولادت کی خبر سنی تو اس نے خوشی میں آ کر ایک باندی آزاد کر دی تھی اور اس پر ابولہب کی جہنم کی سزا میں تخفیف ہو گئی۔“

جواب اس کا بھی ظاہر ہے کہ ہم نفس فرحت کے منکر نہیں گفتگو تو اس نئی ایجاد شدہ خاص ہیئت میں ہے اس واقعہ میں صرف فرحت کا ثبوت ہوتا ہے اس ہیئت جدیدہ کا نام و نشان نہیں ہے۔

تیسرا استدلال اور اس کا جواب

تیسرا استدلال اس آیت سے ہو سکتا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

”اے اللہ! ہم پر آسمان سے خوان نازل فرما کہ وہ ہمارے لئے عید بن جائے، ہمارے پہلوں کے لئے اور ہمارے پچھلوں کے لئے، اور ایک نشانی قدرت کی آپ کی طرف سے۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عطاء نعمت کی تاریخ کو عید بنانا جائز ہے اور پہلی امتوں کی شریعت بھی ہم پر حجت ہے اگر اس پر ہماری شریعت میں رد و انکار نہ کیا گیا ہو، اور حضور ﷺ کی ولادت ظاہر ہے کہ نعمت عظیمہ ہے پس آپ کی تاریخ ولادت کو عید بنانا جائز ہوگا۔

جواب اس کا یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ اس امر پر رد و انکار اسی جگہ ہو جہاں وہ منقول ہے، دیکھئے قرآن مجید میں جس جگہ سجدہ تعظیمی منقول ہے اس جگہ اس پر رد و انکار نہیں فرمایا گیا بلکہ اس کی حرمت کے دلائل دوسرے مقامات پر ذکر کئے گئے ہیں، اسی طرح جو آیات و احادیث ہم نے عید بنانے کی ممانعت میں اپنے دلائل میں بیان کی ہیں وہ سب اس پر رد و انکار کے دلائل ہیں۔

چوتھا استدلال اور اس کا جواب

چوتھا استدلال اس قصہ سے ہو سکتا ہے کہ:

”حدیث میں آیا ہے کہ جب آیت الیوم اکملت لکم دینکم الخ نازل ہوئی تو ایک یہودی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید بنا لیتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہ آیت عید کے ہی دن نازل ہوئی ہے یعنی جمعہ اور عرفہ کو نازل ہوئی ہے اور ترمذی شریف میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا نزلت فی یوم جمعة ویوم عرفة

تقریر استدلال اس حدیث سے یہ ہو سکتی ہے کہ حضرت عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عید بنانے پر انکار نہیں فرمایا، معلوم ہوا کہ عطاء نعمت کی تاریخ کو عید بنانا جائز ہے۔

اس کا جواب تو یہی ہے کہ انکار کا اس جگہ ہونا ضروری نہیں ہے چنانچہ ہمارے فقہاء نے عرفہ کے دن حاجیوں کی مشابہت سے جمع ہونے پر انکار فرمایا ہے حالانکہ یہ بھی ایک عید ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شجرہ حدیبیہ پر اجتماع کا انکار کہ وہ بھی مشابہ عید کے تھا منقول ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسی عید بنانے کو جائز نہیں سمجھتے تھے، اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول بخاری اور مسلم میں منقول ہے کہ لیس التحصیب بشی وادی محصب میں قیام کرنا کوئی چیز نہیں ہے حالانکہ حضور اکرم ﷺ سے اس وادی میں قیام منقول ہے لیکن صرف اتنی بات کی وجہ سے کہ کوئی شخص عادت کو عبادت نہ سمجھ لے اس پر یہ انکار فرمایا تو غیر منقول کو عبادت سمجھنا ان کے نزدیک کس قدر قابل انکار ہوگا۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو تعریف یعنی عرفہ کے دن جمع ہونا منقول ہوا ہے وہ بھی یا تو اسی علت سے معطل ہے جس پر تحصیب کے بارہ میں ان کا فتویٰ دلالت کر رہا ہے کہ اس جمع ہونے کو عبادت نہ سمجھا جائے یا بغیر التزام اور اہل عرفات کے ساتھ بغیر تشبہ کے قصد دعا کے ساتھ موصول ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ شخص مسلمان نہیں تھا یہودی تھا اس کو فرعی مسئلہ کے بتلانے کی حاجت نہیں تھی کہ عید بنانا کیسا ہے بلکہ اس کو ایک خاص طرز پر جواب دیا کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ ایسی نعمت عظمیٰ کے ملنے پر عید نہیں ہوئی یہ غلط ہے ہمارے یہاں اس روز پہلے ہی سے عید تھی، بلکہ اگر غور کیا جائے تو اس جواب سے خود معلوم ہوتا ہے کہ عید بنانا جائز نہیں یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ ہے کہ ہماری شریعت میں چونکہ ایسے اسباب سے عید کرنا درست نہ تھا اور اللہ تعالیٰ کو اس آیت کے نزول کے دن کو عید کرنا مقصود تھا اس لئے اس کو ایسے ہی دن میں نازل فرمایا کہ عید بھی ہو جائے اور از خود عید بنانے

کی بدعت سے بھی حفاظت ہو جائے۔

پانچواں استدلال اور اس کا جواب

پانچواں استدلال وہ اس حدیث سے کر سکتے ہیں کہ:

”جناب رسول اللہ ﷺ نے پیر کے دن روزہ رکھا کسی نے وجہ پوچھی تو یہ ارشاد فرمایا ذلک اليوم الذی ولدت فیہ یعنی میں اس دن پیدا ہوا ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ ولادت کے دن میں قربات کا ادا کرنا مشروع ہے اور فرح و سرور، اجتماع للذکر و تقسیم طعام یا شیرینی یہ سب قربات ہیں پس یہ بھی مشروع ہوں گی۔“

اس کا جواب تو یہ ہے کہ یہ تسلیم نہیں کہ یوم ولادت ہونا روزہ رکھنے کی علت ہے، اس لئے کہ دوسری حدیث میں اس کی علت یہ منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جمعرات اور پیر کے دن نامہ اعمال پیش ہوتے ہیں تو میرا جی چاہتا ہے کہ میرے اعمال روزہ کی حالت میں پیش ہوں، اس سے صاف معلوم ہوا کہ روزہ کی علت تو اعمال نامہ پیش ہونا ہے اور ولادت کا ذکر بطور حکمت کے فرمادیا گیا ہے، دار و مدار حکم کا علت ہوتی ہے نہ کہ حکمت اب اس پر قیاس کر کے دوسری قربات کو ثابت کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ اس لئے کہ حکمت کے ساتھ حکم دائر نہیں ہوتا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ بالفرض اگر علت حکم بھی ہو تو غور کرنا چاہئے کہ یہ علت کی کونسی قسم ہے، کیونکہ علت کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ علت ہے جو اپنے مورد کے ساتھ خاص ہوتی ہے اور ایک وہ جس کا تعدیہ دوسری جگہ ہوتا ہے۔

اگر یہ علت متعدیہ اور عام ہے اور حکم موافق قیاس کے ہے تو کیا وجہ ہے کہ ولادت کے دن میں نوافل اور تلاوت قرآن اور اطعام طعام وغیرہ دوسری قربات حضور ﷺ سے کیوں منقول نہیں ہیں، نیز مثل یوم ولادت کے تاریخ ولادت میں کہ ربیع الاول کی یا ہے روزہ رکھنا کیوں منقول نہیں۔

دوسرے یہ کہ نعمتیں اور بھی ہیں مثلاً ہجرت اور فتح مکہ، معراج شریف آنحضرت ﷺ نے ان کی وجہ سے کوئی عبادت کیوں نہیں فرمائی؟

ایک شبہ کا ازالہ

حضور اکرم ﷺ کے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے موقع پر مدینہ منورہ میں آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کا انتظار تھا اس لئے کئی روز تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا وفد مدینہ منورہ سے باہر آپ کی تشریف آوری کے انتظار میں آتا رہا، اس سے بھی بعض کم فہم لوگوں نے اپنے مقصد یعنی جلوس کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، حالانکہ آنحضرت ﷺ کے قدم مہمنت لزوم کے وقت آپ ﷺ کے استقبال کے لئے اجتماع ہو جانا ایک علیحدہ مسئلہ ہیاس کا اس عید میلاد کے جلوس سے کیا تعلق ہے؟ اور ان بد فہم لوگوں کو یہ بھی سوچنا چاہئے کہ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر سال ہجرت کے دن جلوس نکالا کرتے تھے؟ یہ استقبال کا جلوس تو پہلے قدم مدینہ کے وقت ہی ثابت ہے یا غزوات سے واپسی پر استقبال کے وقت ایسا ہوا ہے، یوم ولادت پر تو ایسا نہیں ہوا اور نہ ہی یوم ہجرت پر ہر سال ایسا ہوتا رہا۔

بجملہ اللہ ثابت ہو گیا کہ یہ عید میلاد مخترع، ناجائز اور بدعت واجب الترمک ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہم کو ولادت نبوی ﷺ پر فرحت اور سرور کا حکم ہے مگر یوم ولادت کو عید منانا شرعاً درست نہیں ہے۔

مولوی سید عبدالقدیر ترمذی

تذکرہ

حضرت مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

فاضل دارالعلوم دیوبند بانی جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

ولادت باسعادت

آپ کی ولادت موضع اڑدن ریاست پٹیالہ ہندوستان میں ۱۱ رجب المرجب ۱۳۴۱ھ کو ہوئی، عبدالشکور آپ کا نام رکھا گیا بعد میں تاریخی نام مرغوب النبی نکالا گیا۔
تعلیم و تربیت

آپ نے قاعدہ مدرسہ معین الاسلام قصبہ نوح میں پڑھا، یہ مدرسہ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمہ اللہ نے بنایا تھا، ابتدائی نوشت و خواند کے بعد اردو، ناظرہ قرآن پاک، حساب کی تعلیم مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون میں ہوئی اور قرآن کریم اسی مدرسہ میں خلیفہ اعجاز احمد تھانوی سے حفظ کیا۔
سفر حجاز

حفظ کے بعد فارسی کتب والد صاحب رحمہ اللہ سے پڑھیں، پھر جب ۱۳۵۶ھ میں والد ماجد حج کے لیے حجاز مقدس تشریف لے گئے تو آپ بھی ہمراہ تھے، آٹھ ماہ آپ کا قیام مدینہ منورہ زادھا اللہ شرفا میں ہوا، وہاں آپ نے ابتدائی عربی کتب والد ماجد سے پڑھنے کے علاوہ حضرت قاری اسعد صاحب رحمہ اللہ وغیرہ سے قرآن کریم کی مشق کی اور کتب تجوید پڑھیں، شیخ القراء قاری حسن شاعر رحمہ اللہ مسجد نبوی میں مقدمہ جزریہ پڑھاتے تھے آپ اس میں بھی شریک ہوتے، حجاز سے واپسی ۱۳۵۸ھ میں دوسرے حج

کے بعد ہوئی۔ عربی تعلیم

حجاز سے واپسی پر قصبہ راج پورہ ریاست پٹیالہ کے عربی مدرسہ میں مولانا سمیع اللہ خان رحمہ اللہ برادر حضرت مسیح الامت مولانا مسیح اللہ خان رحمہ اللہ سے ابتدائی عربی کتابیں پھر انبالہ چھاؤنی کے مدرسہ معین الاسلام میں مولانا محمد متین رحمہ اللہ اور حضرت مولانا محمد متین رحمہ اللہ صاحب سے کتب عربیہ متوسطہ پڑھیں۔

سبعہ قراءات مع ثلاثہ

انبالہ چھاؤنی کے زمانہ تعلیم میں شاطبیہ حضرت والد صاحب سے پڑھی بعد ازاں شیخ القراء مولانا قاری ابو محمد محی الاسلام عثمانی رحمہ اللہ کی خدمت میں پانی پت حاضر ہو کر حضرت مولانا موصوف کو سارا قرآن کریم بطریق جمع الجمع سنایا اور نقل بھی کیا اور شاطبیہ بھی دوبارہ پڑھی، اس کے بعد امام القراء قاری فتح محمد صاحب ضریر رحمہ اللہ سے ”الدرة المضية“ پڑھی اور ”شاطبیہ“ کا بعض حصہ اور ”مقدمہ جزریہ“ پورا سنایا پھر بزمانہ قیام دارالعلوم دیوبند حضرت قاری حفظ الرحمن رحمہ اللہ سے مشق کی اور طیبۃ النشر کا بعض حصہ پڑھا۔

تکمیل علوم

پانی پت سے فراغت کے بعد آپ کے والد ماجد رحمہ اللہ نے آپ کو شاہ آباد ضلع کرنال مدرسہ حقانیہ میں اپنے پاس بلا لیا اور حسامی، شرح وقایہ، ہدایہ اولین، قطبی وغیرہ کتب خود پڑھائیں، شوال ۱۳۶۲ھ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا مگر عید الاضحیٰ کے بعد مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی ضلع بہاولنگر چلے گئے وہاں والد محترم صدر مدرس اور شیخ الحدیث تھے، آپ نے جلالین والد ماجد سے اور ہدایہ اخیرین، مشکوٰۃ شریف، منطق کے دیگر اسباق مولانا ظہور احمد سابق مدرس دارالعلوم دیوبند سے پڑھے۔

شوال ۱۳۶۳ھ میں آپ کا داخلہ دارالعلوم دیوبند میں ہوا وہاں آپ دو سال

زیر تعلیم رہے پہلے سال مطول، شرح العقائد، ملاحسن، میبذی وغیرہ کتب حضرت مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک حضرت مولانا عبدالحق، حضرت مولانا فخر الحسن، مولانا محمد جلیل صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے پڑھ کر اگلے سال شوال ۱۳۶۲ھ میں دورہ حدیث شریف میں داخل ہوئے اور شعبان المعظم ۱۳۶۵ھ میں فراغت پائی دورہ حدیث شریف میں ترمذی شریف حضرت مدنی قدس سرہ نے شروع کرادی تھی کہ وہ اس کے بعد تین ماہ کی رخصت پر تشریف لے گئے، آپ کی جگہ حضرت مولانا فخر الدین مراد آبادی رحمہ اللہ تقریباً تین ماہ سہ ماہی تک ترمذی شریف اور بخاری شریف کا درس دیتے رہے اس عرصہ میں ترمذی کی کتاب الصلاة اور بخاری شریف کی کتاب العلم ختم ہوگئی تھی پھر حضرت مدنی قدس سرہ تشریف لے آئے، آپ نے ترمذی جلد اول اور بخاری کی ہر دو جلد مکمل کرائیں ترمذی کی جلد ثانی اور شامل ترمذی حضرت مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ نے پڑھائی مسلم، ابوداؤد، نسائی، طحاوی، مؤطا امام مالک علی الترتیب حضرت مولانا بشیر احمد گلاؤٹھی، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی، حضرت مولانا فخر الحسن، حضرت مولانا عبدالحق، حضرت مولانا عبدالحق رحمہم اللہ تعالیٰ سے اور ابن ماجہ، مؤطا امام محمد دیگر اساتذہ کرام سے پڑھیں۔

تر بیت باطنی و سلوک

آپ طالب علمی کے زمانہ میں ہی بڑی پیرانی صاحبہ رحمہا اللہ تعالیٰ کی سفارش پر حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی قدس سرہ سے بیعت ہو گئے تھے، چودہ سال کی عمر تک حضرت اقدس تھانوی رحمہ اللہ کے زیر سایہ تھانہ بھون ہی میں آپ کا قیام رہا، حکیم الامت رحمہ اللہ کی وفات کے وقت آپ کی عمر اکیس سال تھی آخر تک حضرت سے تعلق رہا، جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ میں مظاہر علوم سہارنپور کے جلسہ میں شرکت کے بعد آپ اپنے والد ماجد اور عم محترم جناب عبدالرحیم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے خصوصی شفقت و عنایت کا معاملہ فرمایا اور از خود تحریک فرما کر

چچا محترم کی لڑکی سے نکاح بھی پڑھایا حضرت کی وفات کے بعد اصلاحی تعلق حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمہ اللہ سے رہا پھر حضرت شاہ عبدالغنی صاحب سے اور پھر حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی سے رہا، ان کی وفات کے بعد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب سے۔ حضرت علامہ عثمانی اور حضرت مفتی اعظم قدس سرہما نے آپ کو اجازت بیعت سے بھی نوازا۔
علمی خدمات اور ہجرت پاکستان

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ نے کچھ عرصہ راجپورہ ریاست پٹیالہ کے مدرسہ میں تدریس کا کام کیا، اس کے بعد مدرسہ حقانیہ شاہ آباد ضلع کرنال میں مدرس ہو گئے اور کنز، شرح جامی وغیرہ تک کتابیں پڑھائیں۔

تقسیم ملک کے بعد یکم فروری ۱۹۴۸ء کو ساہیوال ضلع سرگودھا میں قیام ہوا، یہاں تعلیم و تبلیغ، تصنیف و افتاء اور تدریس کی عظیم الشان خدمات انجام دیں، یہاں آپ نے پہلے مدرسہ قاسمیہ کے نام سے شہر کی قدیم مسجد شہانی میں ایک مدرسہ قائم کیا، حفظ و ناظرہ کے علاوہ مشکوٰۃ تک کتابیں بھی آپ پڑھاتے رہے، ۱۹۵۳ء میں ختم نبوت کی تحریک چلی تو تین چار ماہ آپ جیل میں رہے جس کی وجہ سے مدرسہ بند ہو گیا، پھر آپ نے ۱۹۵۵ء میں نئی جگہ پر مدرسہ حقانیہ کے نام سے دینی ادارہ کی بنیاد رکھی جو تعمیر و تعلیم کے لحاظ سے بحمد اللہ خوب بترقی ہے، اس وقت مدرسہ میں طلباء و طالبات کی تعداد سات صد سے متجاوز ہے، مقیم طلباء سو سے زائد ہیں، حفظ و ناظرہ کے علاوہ طلبہ و طالبات کے لیے درس نظامی مع دورہ حدیث شریف کا بھی انتظام ہے، علاوہ ازیں علماء کرام اور فضلاء درس نظامی کے لیے درجہ تخصص فی الفقہ کا بھی انتظام ہے جس میں انہیں افتاء کی تربیت دی جاتی ہے۔

۱۹۶۰ء میں مسجد حقانیہ کے نام سے آپ نے ایک عظیم مسجد کا سنگ بنیاد بھی رکھا جو اس وقت علاقہ کی بڑی مساجد میں شمار ہوتی ہے، عید گاہ حقانیہ کی زمین اس کے علاوہ ہے جس پر عید کی نماز ادا کی جاتی ہے، مسجد زینب کے نام سے دو منزلہ جامع مسجد بھی الگ تعمیر

ہو چکی ہے اس کے ساتھ جامعہ کی شاخ بھی ہے جس میں قرآن کریم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مزید توسیع کے لیے تقریباً ۲۳ کنال زمین الگ بھی خرید لی گئی ہے اس میں فی الحال قرآن کریم کی تعلیم دی جا رہی ہے، ساہیوال شاہپور روڈ پر بھی تین کنال جگہ میں مسجد اور مدرسہ کی تعمیر زیر غور ہے، مدرسۃ البنات کی عمارت اس کے علاوہ ہے جس میں دورہ حدیث تک درس نظامی پڑھایا جاتا ہے۔

جامعہ کے شعبہ دارالافتاء سے کئی ہزار تحریری فتاویٰ جاری ہو چکے ہیں جس میں تقریباً دس ہزار فتاویٰ کا ریکارڈ محفوظ ہے ان پر تحقیق و تبویب کا سلسلہ جاری ہے، آپ کے ان فتاویٰ کا نام ”امداد السائل فی الاحکام والمسائل“ رکھا گیا ہے۔

تصنیف و تالیف

حضرت مفتی صاحب نے تصنیف و تحریر کا عظیم سلسلہ بھی بڑی محنت سے جاری رکھا اور بہت سی گرانقد کتب تحریر فرمائیں، اس وقت آپ کی تصنیفات، رسائل مقالات و مضامین کی تعداد ۲۰۰ سے متجاوز ہے ان میں بعض تصنیفات کے نام یہ ہیں:

- (۱) تکملہ احکام القرآن للشیخ محمد ادریس کاندھلوی (۲) تکملہ احکام القرآن للعلامة الشیخ ظفر احمد عثمانی (۳) تتمۃ البیان فی ترجمۃ القرآن (۴) اشرف البیان فی علوم القرآن (۵) ہدایۃ الحیران فی جواہر القرآن (۶) تقریری ترمذی شریف (۷) خلاصۃ الارشاد فی مسئلۃ الاستمداد (۸) ادراک الفضیلۃ فی الدعاء بالوسیلۃ (۹) اسلامی حکومت کا مالیاتی نظام (۱۰) شخصی ملکیت اور اسلام (۱۱) دعوت تبلیغ کی شرعی حیثیت (۱۲) حیات انبیاء کرام علیہم السلام (۱۳) مجموعہ فتاویٰ امداد السائل فی الاحکام والمسائل (۱۴) گاؤں میں جمعہ کا شرعی حکم (۱۵) گستاخ رسول اور مرتد کی شرعی سزا (۱۶) عورت کی سربراہی اور اسلام (۱۷) تحریک پاکستان کی شرعی حیثیت (۱۸) عقائد علماء دیوبند (۱۹) رویت ہلال کی شرعی حیثیت (۲۰) فضائل جہاد (۲۱) تذکرۃ الظفر (۲۲) تذکرہ شیخ الاسلام حضرت

مدنی (۲۳) معارف حضرت مدنی (۲۴) تذکرۃ الشیخ محمد زکریا کاندھلوی (۲۵) اشرف المعارف (۲۶) حضرت افغانی کی تفسیری خدمات (۲۷) حضرت مفتی اعظم کی تفسیری خدمات (۲۸) تاریخ مدارس دینیہ (۲۹) دینی مدارس اور ان کا نصاب تعلیم (۳۰) نفاذ شریعت بل اسمبلی کی ذمہ داری اور علماء کا کردار (۳۱) مودودی صاحب کے نظریات پر ایک تحقیقی نظر (۳۲) محمود احمد عباسی کے نظریات پر تحقیقی نظر (۳۳) تفسیر ترجمان القرآن اور ابوالکلام کے نظریات پر ایک نظر۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی عظیم عبقری شخصیت اپنے دور میں اسلاف کی یادگار اور مغنمات دہر میں سے تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہر و باطن کا جامع بنایا تھا آپ نے جہاں وقت کے اکابر اولو العلم اور نابغہ روزگار شخصیات سے کتساب فیض کیا وہیں وقت کے مجدد اور حکیم الامت سے فیض باطنی حاصل کرنے کی سعادت بھی پائی۔

حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب اعلاء السنن، مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری، فقیہ ملت حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی قدس سرہم جیسی عظیم ہستیوں کو آپ پر بے ہد اعتماد تھا، اہل علم میں آپ کی تصنیفات و تحقیقات اور ارباب فتاویٰ میں آپ کے وقیع فتاویٰ بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ مسلک دیوبند اور بطور خاص مسلک اشرفی کی ترجمانی میں آپ کو صف اول کے علماء میں شمار کیا جاتا ہے۔

آپ نے زبان و قلم سے ملک و ملت کے لیے یادگار خدمات انجام دیں، ملک میں اسلامی دستور اور قانون کے نفاذ کیلئے بھی آپ کی کوششیں بقدر استطاعت جاری رہیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیل نو میں انہیں کونسل کا رکن مقرر کیا گیا، لیکن ابھی کونسل آپ کے علم و فضل سے استفادہ نہیں کر پائی تھی کہ وفات ہو گئی۔

غرضیکہ آپ کی علمی، فقہی، تصنیفی، تدریسی خدمات کے پیش نظر نہ صرف جامعہ حقانیہ ساہیوال اور علاقہ بلکہ پورے ملک میں آپ کا فیض جاری ہے، ضعف اور بیماری

نیز کبرسنی کے عالم میں بھی آپ دینی خدمات بڑی تندہی سے انجام دیتے رہے۔
جامعہ حقانیہ کے علاوہ کئی دوسرے دینی مدارس کی بھی آپ سرپرستی اور اہتمام
ورہنمائی فرماتے رہے، دینی ادارے اور ملک کے کئی بڑے جامعات کی شوریٰ میں بھی
آپ شامل رہے۔

سانحہ وفات

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے ساری زندگی دینی علمی فقہی خدمات میں گزاری
اور ۵ شوال المکرم ۱۴۲۱ھ بروز سوموار یکم جنوری ۲۰۰۱ء کو انتقال فرمایا، اگلے روز آپ کا
جنازہ حضرت مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہم نے پڑھایا، ہزاروں افراد نے اس میں شرکت
کی اور عصر سے قبل حقانیہ قبرستان فروکہ روڈ ساہیوال سرگودھا میں آپ کی تدفین ہوئی،
نور اللہ مرقدہ سقی اللہ سراہ وجعل الجنة مثواه وما وہ، آمین۔

حضرت اقدس کے بالواسطہ اور بلاواسطہ ہزاروں تلامذہ، مدارس اور آپ کی وقیع
علمی تصنیفات و فتاویٰ آپ کے لیے بہترین صدقہ جاریہ اور باقیات صالحات ہیں،
بطور خاص مدرسہ جامعہ حقانیہ، جامع مسجد حقانیہ، عیدگاہ حقانیہ آپ کی عظیم یادگار ہیں، حق
تعالیٰ ان کو ہمیشہ قائم رکھیں اور حضرت کے درجات کو بلند فرمائیں، آمین۔
تفصیلی حالات کے لیے کتاب ”حیات ترمذی“ کا مطالعہ فرمائیں۔

مرتبہ: سید عمیر شاہ بخاری

مکتوبات حضرت ترمذی قدس سرہ (قسط ۲)

بنام قاری حافظ سید محمد اکبر شاہ بخاری زید مجدہ

ایک عرصہ سے خیال تھا کہ ماہنامہ ”الحنفیہ“ میں حضرت فقیہ العصر یا دگار سلف حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی نور اللہ مرقدہ کے مکتوبات کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا جائے چنانچہ محرم الحرام ۱۴۳۷ھ کے شمارہ سے اس کا آغاز کیا جا رہا ہے اس میں سب سے پہلے ان مکاتیب کو شائع کیا جا رہا ہے جو حضرت ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص متوسل جناب قاری حافظ محمد اکبر شاہ بخاری زید مجدہ کو تحریر فرمائے ہیں۔ ادارہ موصوف کا ممنون ہے کہ انہوں نے حضرت ترمذی قدس سرہ کے مکتوبات کی نہ صرف نقل بلکہ اصل مکتوبات کی فوٹو کاپی بھی ارسال کی جزاء اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔ قارئین سے التماس ہے کہ جن حضرات کے پاس حضرت کے خطوط ہوں وہ ادارہ کو بھجوادیں تاکہ ان کو بھی افادہ عام کے لیے شائع کر دیا جائے، شکریہ۔ (ادارہ)

مکتوب (۲)

باسمہ تعالیٰ

عزیز مکرّم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا، آپ کی محبت اور قدردانی سے دل بہت خوش ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائیں، آمین۔
میرے مضامین ”البلاغ“، ”کراچی“، ”الحق“، ”اکوڑ خٹک پشاور“ میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی قدس سرہ کی خود نوشت سوانح حیات ”انوار النظر فی آثار الظفر“ دو حصوں میں مجلس صیانتہ المسلمین لاہور سے دستیاب ہے۔
مفتی محمد حسن صاحب بانی جامعہ اشرفیہ لاہور کی سوانح حیات بھی ”تذکرہ حسن“

کے نام سے دو حصوں میں چھپی تھی، ان دونوں کتابوں کا پتہ مولانا وکیل احمد شیروانی مدرس جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور سے ملے گا۔

مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ کی سوانح حیات ابھی تک مکمل نہیں ہوئی، اور مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کے کچھ بیانات اور خطوط ”کلمہ حق“ کے نام سے شائع ہوئے ہیں اور ان کی تفسیر کے بھی دو حصے شائع ہوئے ہیں اور روزنامہ جنگ کراچی سے شاید مل سکتے ہیں۔

آپ نے مجھ سے اصلاحی تعلق کا لکھا ہے تو میں اس قابل نہیں مگر آپ مجھ سے خط و کتابت جاری رکھیں اور جو بات پوچھنی ہو لکھ دیا کریں، دل سے دعا کرتا ہوں۔ سب احباب کو میری طرف سے سب کی خدمت میں سلام عرض کر دیں۔ والسلام
سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ

۲۵/جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ

مکتوب (۳)

عزیزم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا خط ملا، جواب میں تاخیر اس لیے ہوئی کہ ماہنامہ ”الحق“ کے ان پرچوں کو تلاش کرنا تھا جن میں میرا مضمون شائع ہوا، اس کے لیے وقت نہ ملتا تھا، کل اتفاق سے وقت ملا تو ان کی تلاش کی گئی تو حسب ذیل پرچوں میں اپنا مضمون ملا، ان کو منگا کر مطالعہ کریں، فائدہ ہوگا۔

(۱) اسلام میں معاشی مسئلہ کا اخلاقی حل۔ (الحق بابت ماہ جمادی الاولیٰ، جمادی

الثانیہ ۱۳۸۹ھ)

(۲) مقام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ (الحق بابت ماہ رمضان المبارک، شوال،

ذی قعدہ، ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ)

(۳) اسلام میں ارتداد کی سزا (الحق بابت ماہ شعبان اور رمضان ۱۳۹۳ھ)

باقی آپ کی محبت کے لیے دل سے ممنون ہوں اور دل سے دعا کرتا ہوں اور کسی بھی بات کے بارے میں پوچھنے کی ضرورت ہو تو بلا تکلف پوچھ لیا کریں تحریر میں تکلف کی ضرورت نہیں، ہم سب مسلمانوں کی رہنمائی اور دینی خدمت کو اپنا فرض سمجھتے ہیں۔
اپنا پورا تعارف لکھیں، کیا کام کرتے ہیں۔ اصلاحی تعلق و بیعت کے لیے آپ لکھتے ہیں تو بندہ حاضر ہے، دل سے دعا کرتا ہوں۔ والسلام

سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ

۲۳ رجب ۱۳۹۴ھ

مکتوب (۴)

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا محبت نامہ ملا، آپ کی حضرت شیخ الاسلام سیدی مولانا ظفر احمد عثمانی قدس سرہ سے محبت و عقیدت ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کے لیے سعادت دارین ثابت ہوگی۔
”انوار النظر“ میں حضرت مولانا عثمانی قدس سرہ نے اپنے حالات مختصر طریقہ پر ارقام فرمائے تھے، اب ان کی تفصیل مع اضافات کچھ کام کر رہا ہوں، بیمار رہتا ہوں، دعا کریں کہ کام پایہ تکمیل کو پہنچ جائے، آپ کے تاثرات کو بھی ان شاء اللہ ”تذکرۃ الظفر“ میں شامل کیا جائے گا۔

حضرت کی سوانح پر تو لکھنے کا کام ان شاء اللہ عنقریب پورا ہونے والا ہے، اب اس کی طباعت کا انتظام دیکھئے کیسے اور کب ہوتا ہے اس کے لیے بھی دعا کرتے رہیں، بس دعا کرتا ہوں۔ والسلام

سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ

۳ رجب المرجب ۱۳۹۵ھ

مکتوب (۵)

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کے خط لفافہ کا جواب پہلے دے دیا گیا تھا، ڈاک میں کہیں تاخیر ہوگئی ہوگی جو آپ کو نہ ملا۔

حضرت مولانا عثمانی مرحوم کی سوانح عمری ترتیب مکمل ہوگئی ہے اور اب اس کو سماعت بھی کرا لیا گیا ہے، ان شاء اللہ اب اس کی کتابت اور طباعت کے انتظامات مراحل میں ہیں، جب اس کے مصارف کا انتظام ہوگا تو یہ کام بھی شروع کر دیا جائے گا، جو کام میرے کرنے کا تھا وہ تو الحمد للہ ہو گیا ہے۔

میری صحت کے لیے دعا کریں اب الحمد للہ میری صحت پہلے سے اچھی ہے مگر دوا اور پرہیز ہے تو ٹھیک رہتی ہے دوا چھوڑ کر نہیں، دعا کریں پوری طرح صحت ہو جائے۔

حضرت مولانا عثمانی مرحوم کے متوسلین کی جو دینی خدمت مجھ سے ہو سکے اس سے مجھے کیا عذر ہے، آپ اپنے حالات لکھا کریں ان شاء اللہ مشورہ عرض کر دیا کروں گا، اس راہ میں اتباع شریعت کی ہر حال میں لازم ہے ظاہری و باطنی اصلاح کی فکر ضروری ہے، اس کا طریقہ ہے کہ اپنے مصلح کے پاس احوال لکھیں اور ان کے مشوروں کی اتباع کرنا ضروری، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائیں، دل سے دعا کرتا ہوں۔ والسلام

سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ

۱۵/رجب المرجب ۹۵ھ

مکتوب (۶)

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ خیریت سے ہوں، حضرت مولانا مرحوم کی سوانح کا نام ذہن میں تو ”تذکرۃ الظفر“ ہی ہے، مگر مفتی جمیل احمد تھانوی صاحب سے مشورہ کے بعد حتمی فیصلہ

کیا جائے گا، آپ کے تجویز کردہ نام بھی اچھے ہیں، ان پر بھی مشورہ ہو جائے گا۔
پیغامات وغیرہ ابھی مرتب کرنے ہیں، بعض بزرگوں کے شامل کر لیے ہیں اور
کچھ کرنے ہیں ان کے بعد آپ کے خط کا نمبر بھی امید ہے کہ آہی جائے گا۔ یہ سوانح کافی
ضخیم ہوگئی ہے، تیرہ چودہ سو روپیہ سے تو زائد اس کی کتابت کا اندازہ لگایا گیا ہے، دعا کریں
اس کی طباعت کی کوئی صورت پیدا ہو جائے، دعا کرتا ہوں۔ والسلام

سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ

۱۲ شعبان ۹۵ھ

مکتوب (۷)

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے خط سے آپ کے حالات معلوم ہوئے دعا کرتا ہوں، حضرت مولانا
عثمانی مرحوم سے عقیدت و محبت باعث سعادت آخرت ہے اس تعلق کی بنا پر مجھے بھی
حضرت مولانا مرحوم سے وابستہ لوگوں سے بھی محبت ہے، اور سب کے لیے دعا گورہتا
ہوں، جو خدمت لینا چاہیں اپنی بساط کے مطابق حاضر ہوں، آپ جو بھی اپنے حالات
لکھیں گے تو ان شاء اللہ مشورہ دیتا رہوں گا۔

باقی معاشی حالات کے لیے اپنے سارے مصارف میں کفایت شعاری لازم
ہے، آمدنی میں اضافوں میں اختیار نہیں مگر خرچ میں تو اختیار ہے، غصہ کی حالت میں پانی
پینا اور اس جگہ سے دوسری جگہ چلا جانا غصہ کے کم کرنے کے لیے مفید ہے۔ عورتوں کی
باتوں پر زیادہ اثر نہیں لینا چاہئے، اس طرح کی باتوں میں ہمت و برداشت سے کام
لینا ضروری ہے۔

آپ نے مولانا عمر احمد عثمانی کے گرامی نامہ کا لکھا تھا، انہوں نے ”تذکرۃ الظفر“
کی اشاعت کے لیے انتظامات کی پیش کش کی ہے، تو میں نے آپ کے حوالے سے انہیں

تفصیلی خط لکھ دیا ہے اور سوانح کے متعلق تمام حالات لکھ دیے ہیں، ان شاء اللہ جلد ہی انتظام ہو جائے گا۔

آپ کے تاثرات بھی شامل کرنے کا ارادہ ہے۔ دعا کرتا ہوں۔ والسلام

سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ

۲۴/رمضان ۹۵ھ

مکتوب (۸)

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ماشاء اللہ اکابر بزرگوں سے آپ کی عقیدت و محبت سعادت دارین ہے۔ آپ نے سیدی و مرشدی حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم سے بیعت کی خواہش ظاہر کی ہے، آپ ان سے خود بیعت کی درخواست کریں اور پھر ان کی تحریر کے موافق میری سفارش لکھوائیں پھر وہ درخواست حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں بیعت کے لیے ارسال کریں۔

اس درخواست بیعت کے ساتھ میری سفارش کے خط کو اور حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی اس تحریر کو جو آپ کو انہوں نے میری سفارش کے لیے لکھی ہے ساتھ بھجوائیں تاکہ ان کو بات یاد آجائے۔ دل سے دعا کرتا ہوں۔ والسلام

سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ

۵/ذوالحجہ ۱۳۹۵ھ

(جاری.....)

مولانا عبدالصمد ساجد مختصص جامعہ ہذا

ایک جامع شخصیت

گزشتہ دنوں ۱۶ محرم الحرام ۱۴۳۷ھ بمطابق ۳۰ اکتوبر ۲۰۱۵ء بروز جمعہ جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک کے شیخ الحدیث، عظیم مفسر، جلیل القدر محدث، بے مثال داعی و خطیب، مایہ ناز مدرس، ماہر ادیب، المجاہد الکبیر، یادگار اسلاف حضرت مولانا الدکتور شیر علی شاہ المدنی نور اللہ ضریحہ و برد مضجعہ دار الفناء سے دار البقاء کوچ کر گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون، ان للہ ما أخذ ولہ ما أعطی وکل شیء عندہ بأجل مسمیٰ۔

بالکل بجا کہا گیا ہے: موت العالم موت العالم۔ اس عالم ہست و بود میں بقاء اور دوام فقط خاصہ خداوندی ہے کل شیء هالک الا وجهہ۔ لیکن کچھ نابغہء روزگار اور عبقری شخصیات ایسی بھی ہوتی ہیں جن کے جانے سے عالم اسلام مغموم و مہموم ہو جاتا ہے۔ انہی قد آوروں دیدہ و رافرا میں ایک شیخ الحدیث مولانا شیر علی شاہ قدس سرہ ہیں۔ آہ! آج وہ رخصت ہو گئے۔ اب تک ان کے نکھڑنے کا یقین نہیں ہو رہا۔ لیکن قضاء و قدر سے کس کو مفر ہے؟

ولو كانت الدنيا تدوم لأهلها لكان رسول الله فيها مخلدا
حضرت ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمۃ ۱۱ شعبان ۱۳۴۹ھ، ۱۹۳۰ء اکوڑہ خٹک میں پیدا ہوئے، بچپن سے ہی دینی ماحول نصیب ہوا، فقہ اور فارسی نظم کی ابتدائی کتب اپنے والد ماجد مولانا سید قدرت اللہ شاہ رحمہ اللہ سے پڑھیں۔

آپ کے والد گرامی نہ صرف ایک جید عالم دین بلکہ قافلہء امیر شریعت مجلس احرار اسلام کے متحرک و فعال رکن بھی تھے۔ اسی کی بدولت حضرت ڈاکٹر صاحب کو بھی امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نور اللہ مرقدہ سے کسب فیض اور خدمت و رفاقت

کا خوب موقع ملا۔

اپنے اس تعلق اور نسبت کو حضرت بڑی لے اور ذوق و شوق سے بیان فرمایا کرتے تھے۔ حضرت شاہ جی رحمہ اللہ کے ساتھ بیٹے ان یادگار لحات کو قلم بند بھی فرمایا، بطور تلذذ اس میں سے صرف دو واقعات اہل عقیدت کی نذر کئے جاتے ہیں۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ رقم طراز ہیں۔

”دوسرے سال جب دوبارہ حضرت شاہ جی کی تشریف آوری کی بشارتیں نشر ہوئیں، تو سرحد کے دور دراز علاقوں سے شیدایان اسلام پر وانوں کی طرح اجتماع کے لئے حاضر ہوئے۔ حضرت شاہ جی جب سیٹج پر رونق افروز ہوئے، تو اس وقت سرحد کے ایک نادہ روزگار خطیب، پروفیسر مولانا محمد ادریس صاحب تصوف اور سلوک کے موضوع پر پوری فصاحت، بلاغت اور سلاست کے ساتھ تقریر فرما رہے تھے، جو اپنے دور کے عظیم محقق اور مسلم الثبوت سکالر تھے۔ حضرت شاہ جی ان کی تقریر کو پورے غور و خوض سے سن رہے تھے، انکی تقریر کے بعد حضرت شاہ صاحب کی تقریر کا اعلان کیا گیا، حضرت شاہ صاحب پر ایک وجدانی کیفیت طاری تھی۔ حد درجہ بشاشت و انشراح صدر کے ساتھ خطبہ شروع فرمایا۔ خطبہ میں پورے دس منٹ صرف ہوئے، سب لوگ رو رہے تھے۔ میرے کانوں نے آج تک کسی بڑے سے بڑے خطیب کا ایسا دل کش، جاذب قلب و جگر خطبہ نہیں سنا ہے۔ خطبہ کے بعد حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کی تعریف فرمائی، فرمایا: ادریس صاحب کی سلاست زبان، فصیحانہ بلیغانہ انداز بیان نے مجھے پشتو زبان پر عاشق کر دیا ہے، تصوف کے موضوع پر ان کی محققانہ تقریر کو میں سو فیصد سمجھ چکا ہوں۔

میں نے ساتھیوں سے پوچھا: مولانا ادریس صاحب کا مشغلہ کیا ہے؟ تو مجھے بتایا گیا کہ وہ ایک کالج میں پروفیسر ہیں، میں نے پوچھا تنخواہ کتنی ہے؟ بتایا گیا تین سو روپیہ ماہانہ تنخواہ ہے۔ مجھے حد درجہ صدمہ ہوا ایسے محقق عالم دین اور کالج میں ملازمت؟ علم جب

غلام ہو جائے تو علوم اسلامیہ کی آزادانہ خدمت کیسے ہوگی؟ مولانا ادریس صاحب! آپ کسی دارالعلوم اور دینی مدرسہ میں اپنے محققانہ علوم و معارف سے تشنگانِ علم کو سیراب فرمایا کریں یہ تین سو روپیہ میں آپ کو کہیں سے بھی مہیا کر کے ادا کرتا رہوں گا۔“ (گنجینہ علم و عرفان، ص ۸۳، ۸۴، شالچ کردہ القاسم اکیڈمی نوشہرہ)

دوسرا واقعہ یہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ راقم ہیں۔

”دوسرے دن عصر کی نماز کے بعد حضرت امیر شریعت دریائے کابل کے کنارے تشریف لے گئے جو اکوڑہ خٹک کے شمال میں واقع ہے، کافی علماء اور مجلس احرار کے رضا کاروں کا ہجوم تھا، حضرت شاہ جی کے سینہ پر پستول کی کاٹھی دیکھ کر ایک عالم نے حضرت شاہ جی سے استفسار کیا ”حضرت! آپ اس دفعہ پستول لے آئے ہیں؟ فرمایا:

”وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهَبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ

وَعَدُوَّكُمْ وَأَخْرَجَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَ لَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ“ (الأنفال، ۶۰)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اس نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ان دشمنانِ اسلام کے دھمکانے اور ڈرانے کے لئے ہر قسم کا اسلحہ اور قوت مہیا کریں، نبی کریم ﷺ نے قوت کی تفسیر میں فرمایا ”أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيَ“ الرمی کا کلمہ اتنا جامع و مانع ہے کہ اس میں اسلحہ کی تمام اقسام داخل ہیں، تیراندازی سے لے کر پستول، بندوق، ٹینک، جنگی جہاز کی بمباری اور جدید سے جدید جنگی آلات اس میں شامل ہیں۔ ”ترہبون“ ارہاب سے ہے ارہاب کا معنی ڈرانا، پدکانا، چرکانا، برکانا ہے۔“ (گنجینہ علم و عرفان، ص ۸۵، ۸۶)

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے باقاعدہ درس نظامی کی ابتدائی کتب سے دورہ حدیث تک پورا تعلیمی دورانیہ جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک میں مکمل کیا جسے ثانی دارالعلوم دیوبند کہا گیا اور بجا کہا گیا۔ زادہما اللہ نفعاً و شرفاً و برکتاً۔

وقت کے اساطین امت اور جبالِ علم و عمل اکابر علماء سے استفادہ و استفاضہ کیا۔

علم تفسیر میں شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری، عظیم مفسر و محدث مولانا عبداللہ درخواستی اور قائد ملت مفتی محمود نور اللہ مراد قہم سے پڑھا۔

مختلف علوم و فنون میں بانی جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک، دارالعلوم دیوبند کے سابق استاد شیخ الحدیث مولانا عبدالحق، حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے اجل خلیفہ، بانی جامعہ اشرفیہ لاہور مفتی محمد حسن امرتسری، جلیل القدر مفسر و محدث مولانا محمد ادریس کاندھلوی، جامع المعقول والمنقول مولانا غلام رسول خان ہزاروی مولانا عبدالرحیم المعروف قضا بانو حاجی صاحب اور مولانا سید بادشاہ گل جیسے شہسواران میدان علم کے سامنے زانوائے تلمذ طے کئے، مزید ردقادیانیت و عسائیت پر مشہور مناظر مولانا لال حسین اختر سے پڑھا۔ اپنے شیخ و مربی اور محبوب استاذ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمہ اللہ سے اپنے بیس سالہ تعلق، نسبت اور صحبت کو فخر سے بیان فرمایا کرتے تھے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشنده

اسی شوق علم میں ہی مدینہ منورہ (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) پہنچے اور دس سال وہاں کی مقدس، معطر اور پر کیف فضاؤں میں گزارے، سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے تلمیذ رشید امام التابعین حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے تفسیری افادات پر دکتورہ (پی ایچ ڈی) کیا اور پانچ جلدوں پر مشتمل علمی و تحقیقی تفسیر لکھ ڈالی۔ مولانا عبدالقیوم حقانی (نفعنا اللہ بعلومہ و مصنفاتہ و جزاہ عنا) حسن مایجازی بہ عبادہ المخلصین کی فکر و کاوش سے یہ تفسیر چھپ چکی ہے۔

عربی و فارسی انکے گھر کی لونڈی، انگریزی وارد و جیب کی گھڑی اور پشتو بائیں ہاتھ کی چھنگلی کا کھیل تھا۔ عجی تھے لیکن عربی بولتے تو عرب بھی انگشت بدنداں محو حیرت تکتے رہ جاتے۔ جب احسن العلوم کراچی مدرس تھے، امام اہل السنۃ مولانا سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ کی آمد ہوئی، جاندار شاندار مدحیہ عربی قصیدۃ الترحیب پیش کیا، مشن نمونہ از خروارے

چند شعر پیش خدمت ہیں۔ پڑھیے، سر دھنیے اور اعلیٰ ذوق کو داد دیجیے۔

تتلاطم الأفراح فى الأرواح ونرى السرور علا على الأشباح
وجلت مخائل نهضة علمية بقدم محى السنة الوضاح
زين المعارف والعوارف والتقى نعمان عصر جهبذ جحجاح
شمس المدارس والمجالس والهدى وامام اهل السنة المداح
كشف الستار عن الغوامض فى العلوم ولمعضلات الفقه كالمفتاح
ملا المكا تب بالتأليف التى نالت قبول الناس فى الاصلاح
كلحت وجوه بنى القبور بنورها رفعت لواء القاسم المفتاح
يا رب آدم ابطال ديوبند لنا واحفظهم فى عيشهم رحراح

ملک کے اہم اور مرکزی دینی اداروں میں علم و تحقیق کے پھول نچھاور کیے، دارالعلوم کورنگی کراچی، احسن العلوم کراچی اور منبع العلوم میران شاہ استاذ الحدیث کے منصب پر فائز رہے۔ بعد ازاں اپنے مادر علمی جامعہ حنفیہ کا رخ کیا... شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد فرید رحمہ اللہ کے انتقال کے بعد شیخ الحدیث بنے اور تادم آخر یہاں تعلیم و تدریس کا سلسلہ جاری رہا... جہاں صرف دورۃ الحدیث میں پندرہ سو کے لگ بھگ تشنگان علم اپنی پیاس بجھاتے رہے۔ وہ ایک جامع شخص تھے، جن کے بچپن سے لڑکپن اور عہد شباب تک اور جوانی سے ادھیڑ عمری تک محامد و محاسن، صفات عالیہ و خصال حمیدہ اور کمالات کا تانتا بندھا ہوا ہے۔ کما قال الشاعر

ولیس علی اللہ بمستنکر أن یجمع العالم فى واحد

حضرت رحمہ اللہ کی زندگی کا ایک روشن اور درخشاں باب ان کے جہاد و قتال، جرأت و بسالت اور شجاعت و بہادری کا ہے۔ نام شیر علی تھا اور کام بھی شیروں، دیروں اور عالی ہمت اہل عزیمت والے... گویا اسم با مسمی تھے

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ انہیں دیکھ کر فرمایا کرتے تھے ”تو بہت خطرناک آدمی ہے“ چنانچہ وہ دنیا کے کفر کے لئے خطرہ ثابت ہوئے۔

ع قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

خود میدان عمل میں اترے، فریضہ جہاد ادا کیا، تقاریر و خطبات اور علمی و تحقیقی اور ادبی تحریری شہ پاروں کے ذریعے تحریض علی القتال اور ترغیب جہاد کا فریضہ بھی بلا خوف لومۃ لائم ادا کیا۔ طالبان دور حکومت میں افغانستان کے صوبہ طالقان میں طالبان کو تفسیر پڑھاتے رہے اور ان کے دلوں میں جوش جہاد اور جذبہ عمل پیوست و جاگزین کرتے رہے، یوں آج انہیں استاذ المجاہدین کہا جائے تو چنداں مبالغہ نہ ہوگا۔

ع حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

درج ذیل علمی و تحقیقی تصانیف و تالیفات صدقہ جاریہ چھوڑیں۔

مکاتۃ الحجیۃ فی الاسلام، تفسیر الحسن البصری، زبدۃ القرآن، حول حرکت طالبان، زاد المُنْتَهِی شرح جامع الترمذی، تفسیر سورۃ الکھف۔

آسمان علم و فضل کا یہ آفتاب و مہتاب چھیا سی برس تک ایک جہان روشن کرنے کے بعد غروب ہو گیا۔ لیکن ع آج بھی زندہ ہیں اپنی کاوشوں کے روپ میں

ضرورت اس بات کی ہے کہ انکی حیات طیبہ کے ان مٹ نقوش، گراں قدر خدمات اور علوم و افکار کو زندہ و تابندہ رکھا، اہل ذوق کی نظریں اکابر کی سوانح سے خصوصی شغف رکھنے والی کثیر التصانیف شخصیت مولانا عبد القیوم حقانی اُطال اللہ بقاءہ بالخیر کی طرف ہیں، کہ کب کوئی جامع و مفصل کتاب منصہ شہود پر لائیں جو حضرت کی زندگی کے ان گوشوں اور پہلوؤں کو بھی عیاں کرے جو ہم سے پوشیدہ ہیں۔ کیونکہ

ع دوچار سے دنیا واقف ہے گمنام نہ جانے کتنے ہیں

فقہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

اصلاحی مکاتیب (قسط ۵)

حال: حضرت تھانوی کے ”چند نصح“ کے عنوان پر ایک قطعہ تھا اس میں لکھا ہے کہ ”بزرگوں کی قبور سے گاہ بگاہ استفادہ حاصل کر لیا کرو“ حضرت جی اس استفادہ کے لفظ سے کیا مراد ہے۔
 ارشاد: اپنی اپنی استعداد کے مطابق استفادہ ہوتا ہے خواص کو اور طرح اور عوام کو صرف زیارت کا۔
 حال: بزرگان دین کی قبر پر کس ارادہ سے جانا چاہئے۔

ارشاد: تذکرہ آخرت کی نیت سے جانا چاہئے۔

حال: جب اللہ تعالیٰ کی رحمت کا استحضار ہوتا ہے تو امید بن جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ضرور بخش دے گا۔

ارشاد: اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا سہارا ہی سب سے بڑا سہارا ہے ان شاء اللہ اسی سے امید ہے کامیابی اور نجات کی۔

حال: اور جب میں اپنے گناہوں کو دیکھتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کے خوف کو سوچتا ہوں تو پتہ نہیں کہ میرا کیا بنے گا بڑا فکر لاحق ہوتا ہے۔

ارشاد: یہ فکر ہی سبب نجات ہوگا۔

حال: حضرت جی یہ جو قرآن کریم میں سورۃ ھمزہ میں تین وعیدیں آئی ہیں ایک عیب نکالنے پر دوسری طعنہ زنی پر تیسرے مال کے جمع کرنے پر اور اس کے گننے پر اس پر بڑا خوف طاری رہتا ہے۔

ارشاد: سورۃ ھمزہ میں عیب جوئی طعنہ کی مذمت ہے اس سے پرہیز ضروری ہے البتہ ضرورت میں جائز ہے اور مال کے جمع کرنے پر جو وعید ہے اس سے مراد ہے کہ اس کی محبت اتنی ہو جائے کہ اس کے حقوق ادا کرنے سے مانع ہو جائے ایسی محبت میں گناہ اور جمع رکھنا

مذموم ہے مطلق جمع کرنا منع نہیں ہے،

حال: اس دفعہ عمرہ کے بعد بیت اللہ شریف کی محبت اور ذہنی دھیان بنسبت مدینہ منورہ کے زیادہ محسوس ہوتا ہے اس معاملہ میں کچھ دل میں خلش سے رہتی ہے۔

ارشاد: بعض طبائع پر توحید کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے مرکز توحید بیت اللہ کی طرف دھیان زیادہ ہونا تقاضائے طبعی ہے کچھ حرج نہیں ہے اور عقلاً وسائط کے ساتھ محبت بھی ذوالواسطہ کے ساتھ ہی محبت ہوتی ہے اس لئے واسطہ توحید کے ساتھ محبت بھی خدا تعالیٰ کے ساتھ ہی محبت ہے مگر بعض طبائع پر واسطہ سے زیادہ تعلق ہوتا ہے یہ محبت کے رنگ ہیں اور سب میں مصالح ہیں فکر کی بات نہیں ہے نہ اصلاح کی ضرورت۔

حال: حضرت جی میں نے..... اخبار لگایا ہوا ہے جی چاہتا ہے کہ ان کی کسی طرح سے امداد کی جاوے۔

ارشاد: میرے نزدیک اس زمانہ میں سب اہم اور بنیادی خدمت دین کی دینی مدارس کر رہے ہیں دین کے ہر شعبہ کا مرکز دینی مدرسہ ہی ہے تبلیغ اور جہاد تصنیف و تالیف غرضیکہ ہر نوع کی خدمت انہی مدارس سے انجام پا رہی ہے اس لئے ان کی خدمت ہر طرح سے لازم اور سب سے اہم اور مقدم ہے یہ دینی تعلیم کا شعبہ اتنا اہم ہے کہ عین وقت جہاد بھی اس کے قائم رکھنے کی ہدایت قرآن کریم میں دی گئی ہے فلو نفرلا من کل فرقة منهم طائفة الآیہ (پ ۱۱) کی تفسیر دیکھ لیں اس سے تعلیمی شعبہ کی اہمیت و تاکید کا اندازہ ہوگا۔ اس کے علاوہ دوسری دینی خدمات میں بھی کچھ نہ کچھ حصہ لینا وقتی حاجت کے لحاظ سے مناسب اور کارخیر میں تعاون کا ذریعہ ہے اور موجب ثواب ہے مگر یہ سب وقتی ضروریات ہیں دائمی ضرورت علم دین کا بقاء اور اس کا تحفظ ہے اس میں زیادہ سے زیادہ تعاون کیا جائے اس کے استحکام سے تمام دینی شعبوں میں صحیح طور پر استحکام پیدا ہوگا اور اس کی سمت اور رخ بھی صحیح رہے گا ورنہ الذین ضل سعيهم فی الحیوۃ الدنیا وہم یحسبون انہم

یحسنون صنعا لآیۃ کے مصداق ہوگا اگر آپ کا زیادہ تقاضہ ہے تو کچھ مالی امداد کر دی جائے مگر اپنے ملک میں دینی مدارس کو مقدم رکھا جائے اور اس کو ترجیح دی جائے وہاں دوسرے حضرات بھی خدمات میں حصہ لے رہے ہیں اپنے ملک میں نظام اسلام کی کوشش کی جائے جو اس سے بھی اہم ہے باقی دعاء اخلاص کے ساتھ اس کیلئے کی جائے احقر بھی دعا گو ہے۔

حال: ذکروا ذکار معمولات میں خیالات بکھرے رہتے ہیں۔

ارشاد: کشاکش میں زیادہ ثواب ملتا ہے۔

حال: بعض وقت دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی عبادت اور عمل کا کیا فائدہ۔

ارشاد: بہت زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔

حال: بندہ راولپنڈی کا رہنے والا ہے اور الریاض میں آجکل بتوفیقہ تعالیٰ انگریزی پڑھا رہا ہے۔

ارشاد: اللہ تعالیٰ اس کو باعث خیر بنائیں آمین۔

حال: بندہ کو یہ فکر رہتا ہے کہ معلوم نہیں مرتے وقت اور مرنے کے بعد بندہ کا کیا حشر ہوگا دائمی عذاب سے بہت ڈر لگتا ہے بعض دوستوں کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اچھی امید رکھنی چاہئے جب تک معاملہ طے نہ ہو جائے کیسے اطمینان ہو۔

ارشاد: جس کو یہ فکر لاحق ہو ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ حسن خاتمہ اور حشر میں سہولت و سیر کا معاملہ ہوگا اور دائمی عذاب تو کیا عارضی سے بھی محفوظ رکھا جائے گا بلکہ حسب ارشاد ربانی: وَلَمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٍ وَامَامِنَ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ اِسْ كُو جنت کی نعمتوں سے مالا مال اور سرفراز کیا جائے گا فروع و ریحان و جنة نعیم سے نوازا جائے گا ان بشارتوں کے ہوتے ہوئے فکر کی کیا وجہ ہے یہی عدم اطمینان اور خوف کلید سعادت اور ابدی نجات کا سرمایہ ہے ان شاء اللہ تعالیٰ مگر اس کے ساتھ امید بھی ہو الا یمان بین الخوف والرجاء ارشاد سامنے رہے تو ان شاء اللہ تعالیٰ اعتدال پیدا ہو جائے گا جو کہ مطلوب ہے یہ دنیا خوف و رجاء کا مقام ہے اطمینان کی جگہ دارالقرار ہی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ وہاں نصیب ہوگا۔

حال: بندہ کے داماد نے شادی سے پہلے علم دین حاصل کرنے کا خیال ظاہر کیا تھا بندہ خوش تھا کہ وہ عالم دین بن جائیں گے لیکن شادی کے بعد انہوں نے اپنا ارادہ بدل دیا اب وہ نہ دنیاوی علم پڑھنے پر راضی ہیں اور نہ کسب علم دین پر۔ درخواست دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعوجاج کی تقویم فرمائیں آمین،

ارشاد: ثم آمین، مناسب ترغیب و تدبیر کے ساتھ کل میسر لما خلق له پر بھی نظر دینی چاہئے اس مراقبہ سے زیادہ کڑھن کا علاج مقصود ہے ہر امر میں اعتدال مطلوب ہے و كذلك جعلناكم امة وسطا۔ اللهم وفقنا لما تحب وترضى ويسر لنا امور الدنيا والآخرة۔
حال: اللہ تعالیٰ آپ کا بابرکت سایہ امت مسلمہ پر ہمیشہ بہم فیوض و برکات قائم و دائم رکھے آمین۔

ارشاد: آپ حضرات کا یہ حسن ظن ہے۔

يظن الناس بي خيرا واني لشر الناس ان لم يعف عني
حال: کبھی کبھی بندہ کو والعیاذ باللہ وسوسہ آتا ہے کہ ہو سکتا ہے یہ عالم فنا ہو جائے اور اس کے بعد کچھ بھی نہ بچے پھر یہ آیت یاد کر کے بہت شرم آتی ہے افى الله شك فاطر السموات والارض۔

ارشاد: وهو الذى يبدء الخلق ثم يعيده وهو اھون عليه کابار بار تکرار اور دل پر جمانا مفید ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حال: اگرچہ بندہ وساوس کی طرف التفات نہیں کرتا پھر بھی یہ حالت کفر سے مشابہ ہے هو الذى خلقكم من طين ثم قضى اجلاً و اجل مسمى عنده ثم انتم تموتون۔
ارشاد: ہرگز نہیں کافر کو معاد کا وسوسہ آ ہی نہیں سکتا وہ تو جزماً منکر ہوتا ہے ان نظن الاظناً وما نحن بمستيقنين آپ کو یقین ہے معاد کا جانب مخالف کا صرف وسوسہ ہے وذاك صريح للايمان كما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم كما فى باب فى وسوسة

فی المشکوٰۃ عن مسلم۔

حال: یہ اور بات ہے کہ حالت فنا بھی بری نہیں۔

ارشاد: مگر نصوص قطعیہ کے خلاف ہے اس لئے مردود ہے اور نعمائے جنت سے محرومی بھی ہے۔

حال: زیادہ خوف تو دائمی عذاب اور حساب و کتاب کا ہے۔

ارشاد: بے شک اس سے نجات کی تدابیر عمل میں لا کر فضل باری پر تکیہ ہونا چاہئے۔

حال: بندہ امریکا میں پڑھا شاید بندہ کے وسوسہ کا مصدر و منشأ کافر و ملحد امریکہ سے تعلق ہے۔

ارشاد: ایسا نہیں اوپر گزر چکا ہے بعض صحابہ کرام کو وساوس آئے اور آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے اس کو صریح ایمان فرمایا اس لئے یہ شبہ نہ کیا جائے۔

حال: بندہ جب اپنے جسم کی پیچیدگی اور دقت صنع و خلق کو دیکھتا ہے تو خالق کی قدرت کا

یقین ہو جاتا ہے۔

ارشاد: یہ یقین ہی تو ان وساوس کا علاج اور تریاق ہے اس یقین کے ہوتے ہوئے فکر کی

کوئی بات نہیں تمام فرعونی وساوس کے نکل لینے کیلئے یہ عصائے موسوی ہے۔

حال: اللہ تعالیٰ اس نا عاقبت اندیش کو وساوس سے نجات دلا کر بلا دلیل پہاڑ جیسا

مضبوط ایمان عطا فرمائے۔

ارشاد: نجات مقصود نہیں اس فکر میں نہ پڑیئے یہ مضر نہیں بلکہ مفید ہے ۔

شہوت دنیا مثال لکھن است کہ از و حمام تقویٰ روشن تر است

ان وساوس کی بدولت حمام تقویٰ روشن ہوتا ہے۔

حال: اللہ تعالیٰ منافقت سے نجات عطا فرما کر ایمان پر خاتمہ فرمائے۔ (آمین)

ارشاد: یہ منافقت نہیں منافست ہے اس منازعت پر ترقی درجات ہے۔

حال: بندہ کی دینی حالت بہت خراب ہے کافر غرب کی محبت دل میں رچی ہوئی ہے ساٹھ

سال کی عمر میں صالحات سے تاجیل ہے جیسے عمر بہت لمبی ہو آخری عمر میں عبادت کر لیں گے۔

- ارشاد: یہی احساس اصلاح کا مژدہ ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔
- حال: یہ معلوم نہیں کہ صبح کے وقت شام کی بھی مہلت ہے یا نہیں۔
- ارشاد: درست اس کا استحضار مفید ہے۔
- حال: کبر حد سے زیادہ ہے۔
- ارشاد: مرض کا احساس بھی ایک درجہ علاج ہے۔
- حال: بندہ خود رائی کا شکار ہے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری ہے۔
- ارشاد: ناشکری کا اعتراف بھی شکر نعمت ہے۔
- حال: نعمتوں کا سوء استعمال ہے، وقت بہت ضائع کرتا ہے حالانکہ صحت و فراغت بہت قدر کی چیزیں ہیں۔
- ارشاد: ان احساسات کے ساتھ اصلاح کی امید ہے، واللہ یصلح اعمالکم۔
- حال: بچوں کی تربیت و تعلیم سے غفلت ہے۔
- ارشاد: قوا انفسکم و اہلیکم ناراً آیت پیش نظر رہنی چاہئے۔
- حال: پہلے بچوں کو کتاب سنانے کا معمول تھا آج کل وہ بھی ترک ہے۔
- ارشاد: ہمت کر کے معمول جاری کر دیا جائے جب ترک ہو پھر ہمت سے کام لیا جائے یہی سلسلہ قائم رہے تو بس کامیابی ہے۔
- حال: حالت ناگفتہ بہ ہے، یہ ضعیف محتاج التفات ہے، للہ اس کی عاقبت و عافیت دارین کیلئے دعا فرمائیں۔
- ارشاد: ان سب کے باوجود ہمت نہ ہاریں ناامیدی کی کوئی بات نہیں، شکر ہے کہ مریض کو اپنے مرض کا علم و احساس ہے علاج کی توقع ہے۔
- حال: جب انسان ہوائی جہاز میں ریزولیشن کر لیتا ہے تو یہ احساس ہوتا ہے کہ اب وقت گذرتا جائے گا تاریخ موعود پر چل پڑیں گے، بندہ کا زندگی سے بھی اب یہ احساس

پیدا ہو گیا ہے کہ اب یہ تھوڑے سے وقت کا مسئلہ ہے۔

ارشاد: یہ تصور تو بہتر ہے مگر اعتدال کے ساتھ، اگر غلو ہو جائے تو پھر انسان ہر کام سے رہ جائے اور خود کو بے کار سمجھنے لگے۔ رہنا ماخلقت هذا باطلاً انسان بھی اس میں داخل ہے۔
حال: بندہ گرمیوں کی چھٹیوں میں آجکل کراچی میں مقیم ہے خدمت مبارکہ میں ایک دور وز کیلئے حاضری کی اجازت چاہتا ہے۔

ارشاد: اجازت کیا ملاقات کا شوق ہے جب سہولت ہو سکے آجائیں کہ ”خانہ ماخانہ تست“ مگر اس ناکارہ کیلئے اتنا دور دراز کا سفر کرنا اور مشقت برداشت کرنا صرف محبت ہی اس کا باعث ہے ورنہ یہ ناکارہ تو اس لائق نہیں کہ اس کیلئے اتنا طویل سفر کیا جائے۔
حال: بندہ جب اپنی حالت پر نظر کرتا ہے تو بہت افسوس ہوتا ہے سوائے زعم و گمان و دعویٰ کے کچھ پاس نہیں۔

ارشاد: یہ احساس ہی ان شاء اللہ تعالیٰ تلافی کا سبب بن جائے گا کیونکہ معاملہ اکرم الاکرین رب العلمین سے ہے، امید غفویٰ ہے۔

حال: بندہ کی حالت بہت شرمناک ہے لیکن اصلاح کا داعیہ بھی پیدا نہیں ہوتا اور لوگوں کو تنافس فی الحسنات میں دیکھ کر خود کو حسرت و ندامت پیدا ہوتی ہے لیکن غبطہ مفقود، کبھی کبھی جی چاہتا ہے کہ بندہ کے بھی آنسو جاری ہوتے، کسی پنجابی شاعر نے اس کی تصویر کھینچی ہے۔

کراں ہائے ہائے تے زار و زار رواں میں تسبیح آنسو والی پرواں
ارشاد: بس یہ علاج ہو جاتا ہے یہ غبطہ ہی ہے جس کا احساس نہیں ہے دل سے آنسو جاری ہونا ہی ہے گو آنکھ سے نہیں مگر مقصود حاصل ہے اگرچہ صورت مختلف ہے۔

حال: لیکن قسوة قلب کچھ کرنے نہیں دیتی۔

ارشاد: قسوة ہوتی تو یہ شکایت نہ ہوتی۔

حال: بندہ موت سے بھی ڈرتا ہے۔

ارشاد: یہ طبعی خوف مضر نہیں۔

حال: اگرچہ وقت قریب ہے تاہم غفلت بہت زیادہ ہے۔

ارشاد: جب اس کا ذکر ہے تو غفلت نہ ہوئی قد اقترب للناس حسابہم وہم فی غفلة معرضون میں غفلت کی علامت اعراض کو فرمایا گیا ہے جو الحمد للہ یہاں مفقود ہے۔

حال: درخواست دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس ناقص بندہ تک حضرت والاعم فیضہ کا فیض بہ فراوانی پہنچائیں۔

ارشاد: اصل مفیض ذات حق سبحانہ و تعالیٰ ہیں وہ اپنے کسی بندہ کو اپنے فیضان کا واسطہ بنا دیتے ہیں مثل چھت کے پر نالہ کے، اللہ تعالیٰ ہم سب کیلئے خصوصی فیضان کے حصول کو آسان بنا دے آمین

حال: بندہ میں تقویٰ کی بے حد کمی ہے اس کے ساتھ عدم ذکر کی وجہ سے لاوردلہ، لاواردلہ والا معاملہ ہے۔

ارشاد: اس کمی کے احساس سے ان شاء اللہ تعالیٰ کمی کا تدارک ہو جائے گا کچھ حرج نہیں ہوا احساس کمتری سے وہ کمی پوری ہو رہی ہے جو کچھ حاصل تھا وہ جذر قلب میں راسخ ہوا اس کا ظاہر میں احساس نہیں رہا۔

حال: ایک زمانہ میں اپنی کوتاہیوں پر توبہ کرتے وقت رونا آتا تھا اب تو قساوت قلب اتنی ہے کہ زبان سے بتوفیقہ تعالیٰ استغفار و توبہ کے الفاظ کبھی نکلتے وقت رونے کا خیال تک نہیں آتا، جو لوگ اپنے رب کے وعدہ کا علم و یقین رکھتے ہیں وہ سجدے میں گر کے روتے ہیں جس سے ان کا خشوع بڑھتا ہے۔

ارشاد: پہلے آنکھوں سے رونا آتا تھا اب دل روتا ہے کہ رونا کیوں نہیں آتا، قساوت قلب ہوتی تو اس کے عدم سے غم کیوں ہوتا اور آیت مبارکہ کے مضمون کی تمنا کیوں ہوتی قاسیۃ القلب کا یہ حال نہیں ہوتا اس کو تو پرواہ بھی نہیں ہوتی۔ پھر یہ حال ہے جو غیر اختیاری

- ہے اصل مقصود دل کا احساس (یعنی رونا) ہے وہ بحمد اللہ حاصل ہے۔
- حال: جس کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہوتی ہے اسے رونا بھی آتا ہے۔
- ارشاد: بحمد اللہ رونا آ رہا ہے دل سے تمنا کا ہونا رونا ہی تو ہے۔
- حال: بندہ کا جو حال ہے اس سے لقا غی کا خوف پیدا ہوتا ہے۔
- ارشاد: ہرگز نہیں یہ خوف ہی تو لقا غی کیلئے مانع ہے۔
- حال: آنسوؤں کا بہنا معرفت حق سے ہوتا ہے۔
- ارشاد: اور اس کے فقدان سے افسوس ہونا اس کی تلافی ہے۔
- حال: جن کو خشیت ربی حاصل ہے ان کی جلد کا متاثر ہونا اور ان کے قلوب کا ذکر اللہ کی طرف مائل ہونا اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے۔
- ارشاد: یہ احوال ہیں اور مقصود مقام ہے جو دل میں تمکین حاصل کرے اور اس کا مصداق ہو جائے گم شدن گم کن کمال اس است و بس۔
- حال: بندہ حب جاہ اور تکبر کا شکار ہے۔
- ارشاد: حق تعالیٰ کے جلال و عظمت کے سامنے ہماری کیا ہستی ہے بس اس کا استحضار ہی اس کا علاج ہے اس آفتاب کے سامنے وہ نسبت بھی نہیں جو ذرہ کو آفتاب کے سامنے ہوتی ہے۔
- یکے قطرہ از ابر نیساں چکید نخل شد چوں پنہائے دریا بدید
- حال: پورے دن میں ایک بار بھی بطور ذکر لفظ اللہ زبان سے نہیں نکلتا۔
- ارشاد: نکلنے لگے گا ان شاء اللہ تعالیٰ تھوڑی توجہ کی ضرورت ہے۔
- حال: توکل کی کمی کی وجہ سے بندہ کو رزق کی طرف سے فکر رہتا ہے۔
- ارشاد: فکر توکل کے منافی نہیں بلکہ مامور بہ ہے اور باعث اجر بھی مگر اعتدال کے ساتھ ہو۔

(جاری.....)

مفتی محمد اعظم ہاشمی زید مجدہ

مقتدیوں کا ”قداًت الصلاة“ پر کھڑا ہونا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ کچھ سنی حضرات اس پر اصرار کرتے ہیں کہ جب اقامت (تکبیر) شروع ہو تو کوئی شخص کھڑا نہ رہے، بیٹھ جانا ضروری ہے بلکہ جو اُس وقت پہنچے وہ بھی آکر بیٹھ جائے جب تک تکبیر کہنے والا حیّ عَلَی الْفَلَاحِ پر نہ پہنچ جائے شریعت میں سنت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیا ہے وضاحت فرمائیں تاکہ سنی حضرات گمراہ نہ ہوں۔ نیز جن فقہ کی کتب میں حیّ عَلَی الْفَلَاحِ پر کھڑے ہونے کا ذکر ہے اُس کا صحیح مطلب کیا ہے؟۔

سائل: محمد سرفراز چشتی، کمالیہ

الجواب بعون الوہاب

﴿۱﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نماز کی اقامت ہونے لگتی تو ہم کھڑے ہو کر صفیں درست کر لیا کرتے اس سے پہلے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف تشریف لاتے۔

حدیث شریف یہ ہے:

عن ابی ہریرۃ یقول اقیمت الصلوۃ فقمنا فعدلنا الصفوف قبل ان

یخرج الینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (صحیح مسلم ص ۲۲۰ ج ۱)

اس حدیث کے تحت شرح مسلم میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے دو اہم باتیں نقل

فرمائیں ہیں:

(۱) حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عام معمول کے مطابق دائمی سنت طریقتہ

(یعنی اقامت کے شروع سے صفوں کے درست کرنے) کی طرف اشارہ ہے۔

(۲) محدث قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور علماء اہلسنت کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ جب مؤذن اقامت شروع کرے تو نمازی حضرات فوراً کھڑے ہو کر صف بنائیں۔

وقال العلامة نووی: إشارة الى ان هذه سنة معهودة عندهم ونقل القاضى عياض عن مالك رحمة الله عليه و عامة العلماء انه يستحب ان يقوموا اذا اخذ المؤذن فى الإقامة (ص ۲۲۱ ج ۱)

بعینہ اسی طرح عمدۃ القاری شرح بخاری میں ہے کہ جب مؤذن تکبیر (اقامت) شروع کرے تو تمام نمازی کھڑے ہو جائیں اس پر عظیم محدث شیخ الاسلام علامہ ظفر احمد عثمانی چشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اکثر امت مسلمہ شروع اقامت سے ہی کھڑے ہو جانے پر بغیر کسی اعتراض کے آج تک عمل کرتی چلی آرہی ہے۔

قال العلامة العینی فى العمدة فذهب مالك و جمهور العلماء القيام اذا اخذ المؤذن فى الإقامة و عليه عمل العامة اليوم من غير تكبير (اعلاء السنن ص ۳۲۷ ج ۴ باب وقت قيام الامام و المامومين للصلوة۔ طبع کراچی) ﴿۲﴾ محدث عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ (امام بخاری کے استاذ) نے حضرت ابن جریج سے، انہوں نے حضرت ابن شہاب سے روایت کیا ہے کہ جب مؤذن اقامت شروع کرتا تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی وقت کھڑے ہو جاتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم امامت کی جگہ اس وقت تک نہ آتے جب تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صفیں درست نہ فرما لیتے۔

حدیث شریف یہ ہے:

عبدالرزاق عن ابن جریج قال اخبرنى ابن شهاب ان الناس كانوا ساعة يقول المؤذن الله اكبر الله اكبر يقيم الصلوة يقوم الناس الى الصلوة فلا

یأتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مقامۃ حتی یعدّل (مصنف عبدالرزاق ص ۵۰۷ ج ۱ باب قیام الناس عند الاقامة - رقم الحديث ۱۹۴۲)

﴿۳﴾ سید التابعین محدث و فقیہ حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب مؤذن اللہ اکبر (یعنی اقامت شروع) کرے تو کھڑا ہونا واجب ہے اور جب حی علی الصلوٰۃ پر پہنچے تو صفیں درست ہو جائیں اور جب لا الہ الا اللہ (آخری کلمہ) کہے تو امام صاحب نماز شروع کر دے۔ عبارت یہ ہے:

عن سعید بن المسیب قال اذا قال المؤذن اللہ اکبر وجب القيام و اذا قال حی علی الصلوٰۃ عُدلت الصفوف و اذا قال لا الہ الا اللہ کبر الامام (فتح الباری شرح بخاری ص ۸۱ ج ۲ باب متى يقوم الناس)

اس لیے افضل واضح یہی ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ترتیب مبارک کے مطابق امام و مقتدی حضرات اقامت کے شروع ہوتے ہی صفیں درست کر لیں چنانچہ اسی بات کو حکیم الامت مجدد الملت شاہ اشرف علی حنفی چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے عمل کے اعتبار سے بہتر قرار دیا ہے (بوادر النوادر، ص ۳۸۹ طبع ادارۃ اسلامیات لاہور)

مذکور تحقیق پر تائید مزید ملاحظہ ہو:

(۱) شیخ الاسلام مفتی شاہ مظہر اللہ دہلوی (بریلوی) فرماتے ہیں:

”حی علی الفلاح“ کے اوپر کھڑے ہونے کے متعلق کوئی ایک حدیث بھی میری نظر سے نہیں گزری بلکہ بعض احادیث اس کے مخالف معلوم ہوتی ہیں مثلاً (حضرات صحابہ کرام فرماتے ہیں) جب ہم نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں کو برابر کرتے جب برابر ہو جاتیں تب تکبیر فرماتے، (چند سطر بعد فرماتے ہیں) صفیں سیدھی نہ ہوتی ہوں تو اول ہی سے کھڑا ہونا چاہیے کہ صفوں کے سیدھے نہ ہونے میں کراہت ہے اور حی علی الفلاح پر نہ کھڑے ہونے میں کراہت نہیں

ہے۔ (فتاویٰ مظہریہ ص ۹۸، ج ۱، مرتب ڈاکٹر محمد مسعود احمد بریلوی، طبع ۱۹۹۹ء کراچی)
 (۲) سیال شریف کے سجادہ نشین حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی اپنے عربی مکتوب
 (بنام غلام فخر الدین سیالوی) میں فرماتے ہیں:

”حمد و صلوٰۃ کے بعد بعض طلباء نے اقامت کے وقت بیٹھ جانے کی بدعت نکالی
 ہے خواہ وہ پہلے کھڑے ہی کیوں نہ ہوں..... (آخر میں فرماتے ہیں) اقامت کے شروع
 میں بیٹھنے کا حکم شریعت میں نہیں دیا گیا اور نہ ہی یہ بات شریعت میں کہیں ثابت ہے۔ اصل
 عبارت یہ ہے:

اما بعد، فان بعض الطلبة قد ابتدوا الجلوس وقت التكبير (الاقامة)
 ولو كانوا قائمين قبل الاقامة لا الجلوس مأمور به عند شروع التكبير
 وذاك غير ثابت قط۔ واللہ ورسولہ اعلم۔ حرره الفقير قمر الدين غفر الله له۔
 ۱۴ ذیقعدہ ۱۳۷۷ھ (ماہنامہ ضیاء حرم) (بھیرہ شریف) شیخ الاسلام نمبر، ص ۱۸۹، طبع مئی
 (۲۰۰۴ء)

لہذا بہت افسوس ہے ایسے افراد پر جو سنی کہلانے کے باوجود اقامت شروع
 ہوتے ہی بیٹھ جاتے ہیں کیونکہ ایسے لوگ بقول حضرت خواجہ صاحب بدعتی ہیں سنی نہیں۔
 فافہم ولا تکن من القاصرين۔

رہی یہ بات کہ حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ سے حسی علی الفلاح پر کھڑا ہو جانا
 منقول ہے تو اس بارہ میں خفی محقق حضرت علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ مکرم علامہ سید
 احمد طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حسی علی الفلاح کے وقت کھڑے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حسی علی
 الفلاح کے بعد بھی نہ اٹھنا اور بیٹھے رہنا باعث گناہ ہے اس کا یہ مطلب مراد لینا کہ اقامت
 کے شروع میں اٹھنا جائز نہیں شرعاً درست نہیں چنانچہ اقامت شروع ہو تو فوراً اٹھ کر صفیں

درست کریں اگر کسی وجہ سے دیر ہو جائے تو حی علی الفلاح تک ضرور کھڑے ہو جائیں۔

وفی الدر المختار: والقیام لامام ومؤتم حین قیل حی علی الفلاح و فی الطحطاوی علی الدر: والظاهر انه احتراز عن التأخیر لا التقديم حتی لو قام اول الاقامة لا بأس (ص ۲۱۵ ج ۱ اخر باب صفة الصلوة، طبع کوئٹہ) فقط واللہ یقول الحق و هو یهدی السبیل

کتبہ العبد المنیب محمد اعظم ہاشمی غفرلہ الرقیب

۹/ ذوالحجہ ۱۴۳۲ھ - ۶/ نومبر ۲۰۱۱ء

تصدیق

استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی صاحب دامت برکاتہم

صدر مفتی جامعہ حقانیہ، ساہیوال (ضلع سرگودھا)

..... ﴿نعم الجواب و هو عین الصواب﴾

و هذا ما افتنی به حضرة جدی الکریم رحمہ اللہ تعالیٰ و حضرت

سیدی و ابی رحمہ اللہ تعالیٰ و بہ افتنی۔

احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ

خادم دارالافتاء بالجامعة الحقانیہ

ساہیوال سرگودھا

۲۶/ ذوالحجہ ۱۴۳۲ھ

مولانا سجاد حسین زید مجرہ

اخبار الجامعہ

یکم محرم الحرام: DPO سرگودھا مقامی انتظامیہ کے ذمہ دار حضرات کے ساتھ جامعہ میں تشریف لائے اور صدر جامعہ سے محرم الحرام کے موقع پر امن وامان کے حوالے سے گفتگو ہوئی۔ ۴/ حضرت الاستاذ مولانا صالح محمد قریشی رحمہ اللہ کے جنازہ میں شرکت کے لیے تریخیل تشریف لے گئے۔ ۱۰/ یوم عاشوراء کی مناسبت سے حضرت مدظلہم نے درجہ تخصص کے طلبہ اور بیرون شہر سے تشریف لائے ہوئے علماء کو مسلسل بیوم عاشور اور دیگر احادیث مسلسل کی اجازت دی۔ ۱۲/ وفاقی وزیر مملکت برائے مذہبی امور صاحبزادہ امین الحسنات صاحب جامعہ میں تشریف لائے اور حضرت مدظلہم سے ملاقات کی۔ ۲۷/ حضرت علامہ محمد عبدالغفار تونسوی مدظلہم جامعہ میں تشریف لائے اور تین روز درجہ تخصص کے طلبہ کو فرق باطلہ کے حوالے سے اسباق پڑھائے۔ ۶/ صفر المظفر: جامعہ کی مجلس شوریٰ کا اجلاس ہوا۔ جس میں جامعہ کی تعمیر و ترقی سے متعلق اہم امور طے پائے۔ ۷/ جامع مسجد حقانیہ میں خطبہ جمعہ سے قبل حضرت مولانا قاری محمود احمد مدظلہم مدرس جامعہ خیر المدارس ملتان نے بیان فرمایا۔ ۸/ جامعہ میں درجہ تخصص و درجہ کتب کے طلبہ کا تحریری امتحان شروع ہوا۔ ۱۰/ صفر المظفر کو تخصص کے طلبہ جبکہ ۱۲/ صفر المظفر کو درجہ کتب و شعبہ حفظ کے طلباء کا تحریری امتحان ہوا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں مزید علمی و عملی ترقیات سے نوازیں۔ ۱۴/ حضرت مدظلہم کے بھتیجے قاری سید عبدالبر ترندی کی نومولود بیٹی قضائے الہی سے انتقال کر گئی۔ نماز جمعہ سے قبل ہی نماز جنازہ اور حقانیہ قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ ۱۹/ حضرت مدظلہم دارالعلوم اشرفیہ چوہال تشریف لے گئے اور جلسہ سے خطاب فرمایا۔ ۲۳/ جامعہ حقانیہ للبنات میں ناظرہ قرآن کریم مکمل کرنے والی طالبات کو آخری سبق پڑھا کر دعا کرائی۔

محمد فہیم ترمذی

نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ہر لحظہ سکوں بخش ہے، ہر آن اماں ہے
 طیبہ کے گلی کوچوں پہ جنت کا گماں ہے
 یہ شہر فقط شہر نہیں، شہر نبی ہے
 یہ قریہ فقط قریہ نہیں، قریہ جاں ہے
 صدر شکِ گلستاں ہے، ہر اک خار یہاں کا
 اور پھول کا پوچھو ہو، تو صدر شکِ جنان ہے
 مشرق میں نہ مغرب میں، عرب میں نہ عجم میں
 اس شہر کی تمثیل، یہاں ہے نہ وہاں ہے
 یہ کاکشاں ہے کہ غبارِ رہ سرور
 یہ چاند ہے یا پائے نبوت کا نشاں ہے